جامعہ عثمانیہ گلشن بلاک لاہور کا ترجمان

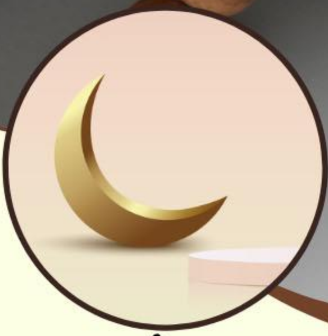
نوائے خادم

یکم محرم الحرام تا ربیع الاوّل 1446 ہجری 2024ء









زیر سرپرستی

ولی کامل، استاذ العلماء والصلحاء

شیخ التفسیر والحدیث

حضرت مولانا خادم حسین شجاع آبادی صاحب مدظلہ

دامت برکاتہم العالیہ

نیا سال مبارک ۱۴۴۶

جمعیت طلباء عثمانیہ

jamiausmania1.blogspot.com

nawaekhadim@gmail.com



نوائے خادِم اراکین

جمعیت طلباء عثمانیہ

جامعہ عثمانیہ

فہرست مضامین





نیا اسلامی سال مبارک
آمین
اللہ پاک اس سال آفتوں، مصیبتوں سے بچائے،
رزق حلال میں برکت عطا فرمائے اور
حج کی سعادت نصیب فرمائے۔

اداریہ

محمد داؤدالرحمن علی (مدیر مجلہ نوائے خادم)



اسلامی سال کا آغاز ”محرم الحرام“ سے ہوتا ہے۔ محرم کے معنی: معظم، محترم اور معزز ہیں، اس ماہ کا شمار اشہرِ حرم میں سے ہے، جن کی عظمت وفضیلت کتاب وسنت میں آئی ہے، جن میں اعمالِ صالحہ کا اجر وثواب دوگنا کرکے دیا جاتا ہے۔ یہ مہینہ ایسی بزرگی والا ہے جس کا ادب واحترام نزولِ کتاب کے زمانہ میں اہلِ کتاب اور کفارِ مکہ بھی کیا کرتے تھے۔ بعض علمائے سلف نے اشہرِ حرم میں بھی محرم الحرام کو افضل لکھا ہے، چنانچہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں:

”وقد اختلف العلماء فی أي الأشهر الحرم أفضل؟ فقال الحسن البصري علیہ الرحمۃ: أفضلها شهر الله المحرم، ورجَّحهٗ طائفة من المتاخرين۔“

”علماء کرام نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ اشہرِ حرم میں کونسا مہینہ افضل ہے؟ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا: ان میں افضل مہینہ اللہ کا مہینہ محرم ہے، اور متاخرین میں سے ایک جماعت نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔“ (خصوصیاتِ ماہِ محرم الحرام ویومِ عاشوراء)

یاد رہے ”محرم الحرام“ کی فضیلت اول دن سے ہے۔ شروع سے ہی اللہ پاک نے ”محرم الحرام“ کو محترم مہینوں میں ہی رکھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ“ (سورۃ التوبہ:۳٦)

”یقیناً شمار مہینوں کا (جو کہ) کتابِ الٰہی میں اللہ کے نزدیک (معتبر ہیں) بارہ مہینے (قمری) ہیں جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کیے تھے (اسی روز سے اور) ان میں چار خاص مہینے ادب کے ہیں۔“ (حضرت تھانویؒ)

اسی طرح ہم احادیث مبارکہ کی طرف غور کریں تو ہمیں ”محرم الحرام“ کی فضیلت وہاں بھی نظر آتی ہے۔

”عن أبی ذر رضی اللہ عنہ قال: سألتُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أيُ الليل خير؟ وأي الأشهر أفضل؟ فقال: خير الليل جوفه، وأفضل الأشهر شهر الله الذي تدعونه المحرم۔“

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: رات کا کونسا حصہ بہتر ہے؟ اور کونسا مہینہ افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کا درمیانی حصہ بہتر ہے، اور مہینوں میں افضل مہینہ اللہ کا مہینہ ہے، جس کو تم محرم کہتے ہو، لیکن ماہِ رمضان اس سے مستثنیٰ ہے۔'' (خصوصیاتِ ماہِ محرم الحرام)

''محرم الحرام'' کو اللہ پاک کا مہینہ قرار دیا گیا حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

''أفضل الصيام بعد رمضان شهر الله المحرم۔'' (رواہ مسلم، بحوالہ مشکاۃ رقم: ۲۰۴۸)

''رمضان کے روزے کے بعد بہترین روزے اللہ کا مہینہ محرم ہے۔''

''محرم الحرام'' میں ہونے والے واقعات پر ایک چھوٹی سی نظر:

ماہِ محرم ۷ھ میں غزوۂ خیبر ہوا۔ ماہِ محرم ۱۴ھ میں جنگ قادسیہ ہوئی، اس جنگ میں مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے اور کفار کا سردار مشہور زمانہ رستم تھا، تین دن کے سخت مقابلہ کے بعد چوتھے روز مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ ماہِ محرم ۱۸ھ شام اور عراق میں طاعونِ عمواس کی سخت جان لیوا وبا پھیلی تھی، اور حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کا انتقال بھی اسی بیماری سے ہوا جو اس وقت مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ اس علاقہ میں مصروفِ جنگ تھے۔ اور اسی سن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے دمشق کے گورنر مقرر ہوئے۔ ماہِ محرم ۲۴ھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر میں فاتحانہ داخل ہوئے، اور یہی وہ سن ہے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تختِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ ماہِ محرم ۶۱ھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مع رفقاء جامِ شہادت نوش کیا۔ ماہِ محرم ۶۷ھ میں کوفہ کا گورنر عبید اللہ بن زیاد قتل ہوا۔ ماہِ محرم ۷۴ھ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی وفات ہوئی۔ (ملخص از ماہِ محرم الحرام کے فضائل اور احکام)

خلاصہ یہ ہوا کہ ''محرم الحرام'' اللہ کا مہینہ ہے، یہ مہینہ احترام والا مہینہ ہے۔ اس مہینہ کو اول دن سے ہی خاصیت حاصل ہے، اس ماہ مبارک میں بہت سے واقعات نمودار ہوئے، اس ماہ مبارک میں روزہ رکھنے کی بھی فضیلت ہے۔

لیکن افسوس! صد افسوس ہم مسلمانوں نے اس ماہ مبارک کو کیا سے کیا بنا دیا۔ وہ رسومات ادا کرنا شروع کر دیں جن کا اسلام میں وجود ہی نہیں، وہ بدعات شروع کر دی گئیں جن کا اسلام میں تصور ہی نہیں، وہ بدعات شروع کر دی گئیں جس کا اسلام میں حکم ہی نہیں۔

جو چیز اسلام نے ہے یا جس چیز کا حکم دیا جارہا ہے وہ ہم کرتے نہیں، اس پر عمل کا سوچتے نہیں، ان چیزوں کو اپنانے کی کوشش کرتے ہی نہیں، بلکہ اس کے برعکس وہ کرتے ہیں جس سے رب کی ناراضگی کے اسباب ہوں۔

آئیں! آگے بڑھیں اسلام کو سیکھیں، اسلام کی ترویج کریں، اسلام کی بقاء کی آواز بنیں، اور وہ کریں جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

یاد رکھیں! ''محرم الحرام'' بدعات و رسومات کا مہینہ نہیں بلکہ اللہ کا مہینہ ہے۔

اللہ پاک ہم سب کو حقیقی معنوں میں ''محرم الحرام'' کی فضیلت کو سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!



اِیّاکَ نَعْبُدُ

عبادت میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ غایت تذلل، غایت تعظیم۔ یعنی عابد میں انتہائی عاجزی ہو اور معبود میں انتہائی عظمت ہو اس واسطے عبادت اللہ کے سوا کسی کیلئے جائز نہیں۔

معبود کے لئے دو چیزوں یعنی عالم الغیب اور متصرف الامور مطلقاً ہونا ضروری ہے یعنی ذرّہ ذرّہ کا علم رکھتا ہو اور ہر قسم کے تصرف کی قدرت بھی رکھتا ہو، اسی واسطے اللہ تعالی نے اپنے مستحق عبادت ہونے کیلئے انہی دو چیزوں کو دلیل بنایا ہے، جیسا کہ :

للہ غیب السمٰوات والارض والیہ یرجع الامر کلہٗ فاعبدہُ وتوکل الیہ(ہود: ۱۲۳)

اور جہاں کہیں غیر اللہ سے عبادت کی نفی کی تو وہاں بھی انہی دو صفات کی نفی کو بنیاد بنایا، جیسا کہ :

قل اتعبدون من دون اللہ ما لا یملک لکم ضرًّا ولَا نفعًا(المائدہ: ۷۶)

کیونکہ نفع نقصان کا مالک وہی ہو سکتا ہے جس میں علم اور قدرت ہو، ان میں دونوں چیزیں مفقود ہیں۔

وایاک نستعین

استعانت عبادت کی اہم شاخ ہے اور وہ دو قسم پر ہے:

(۱) اپنی حاجات و مشکلات میں پکارنا اور مدد حاصل کرنا... اگر یہ مافوق الاسباب ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، جیسے کہ فرمایا

''وقال ربکم ادعونی استجب لکم''(المومن: ٦٠)

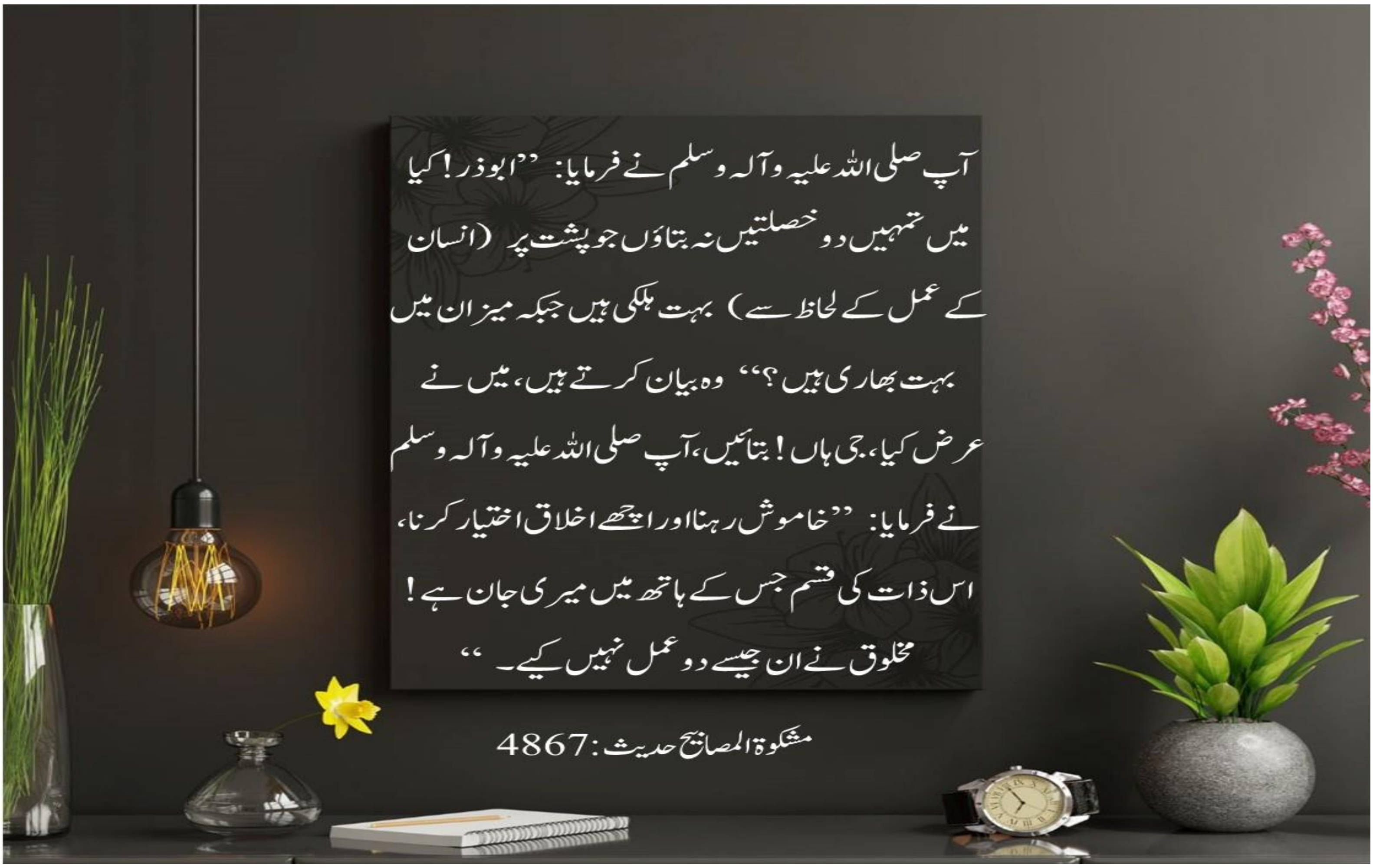
(۲) اور ماتحت الاسباب غیروں سے جائز ہے، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **''من انصاری اِلی الله''**(آل عمران: ۵۲)

ذوالقرنین نے کہا **''فاعینونی بقوۃٍ''(الکہف: ١٥)**

ایک اور جگہ فرمایا **''والرسول یدعوکم فی اُخرٰکم''(آل عمران: ١٥٣)**

اہدنا الصراط المستقیم

یہ دعا ہے کیونکہ انسان جب اللہ تعالیٰ کی چار صفات کا اقرار کرلیتا ہے تو بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ بس ہم تیری ہی عبادت کریں گے اور تجھ سے ہی مدد چاہیں گے یہی صراطِ مستقیم ہے، اس پر استقامت کی دعا کرتا ہے۔



درس حدیث

حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم



ہجرتِ نبوی

تریپن سال کی عمر میں نبوت کے تیرھویں سال حکم الٰہی سے مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کی پھر ہجرت کے آٹھویں سال فاتحانہ شان کے ساتھ متواضعانہ حالت میں مکہ تشریف لائے اور چند لوگوں کے سوا تمام اہلِ مکہ کو معافی عطا کی اور دسویں سال حجۃالوداع کی سعادت حاصل کی اور دین کے مکمل ہو جانے کی خوشخبری سنائی اور اسی سال ربیع الاول کے مہینہ میں اللّٰھم بالرفیق الاعلیٰ کے شرف سے مشرف ہو کر امت کو داغِ مفارقت دے کر وصالِ ربانی جاودانی سے محظوظ و مستفیض ہو رہے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِ مُحَمَّدٍ وَجَمِیْعِ اُمَّتِ مُحَمَّدٍ اِلَی الْاَبَدِ بِغَیْرِ حَدٍّ یَا صَمَدُ۔ اَللّٰھُمَّ شَرِّفْنَا بِدِیْدَارِکَ وَدِیْدَارِ رَسُوْلِکَ وَوَفِّقْنَا بِطَاعَتِکَ وَطَاعَتِ رَسُوْلِکَ وَاغْفِرْ ذُنُوْبِیْ وَذُنُوْبَ سَائِرِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ فِی الْحَیَاتِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّۃَ بِمَحْضِ رَحْمَتِکَ یَا آرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

فریضۂ نبوت سنبھالنے کے بعد تبلیغ شروع فرمائی۔ کفار کی طرف سے سخت تکلیفیں اٹھائیں۔ شعب ابی طالب میں تین سالہ مقاطعہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے۔ تیرہ سال مکہ و طائف میں تبلیغ توحید اور دعوتِ الی الاسلام کا کام نامساعد حالات میں احسن طریقہ سے جاری رکھا۔ اعمال میں سب سے پہلا حکم وضوو نماز کا سورۃ مدثر میں نازل ہوا۔

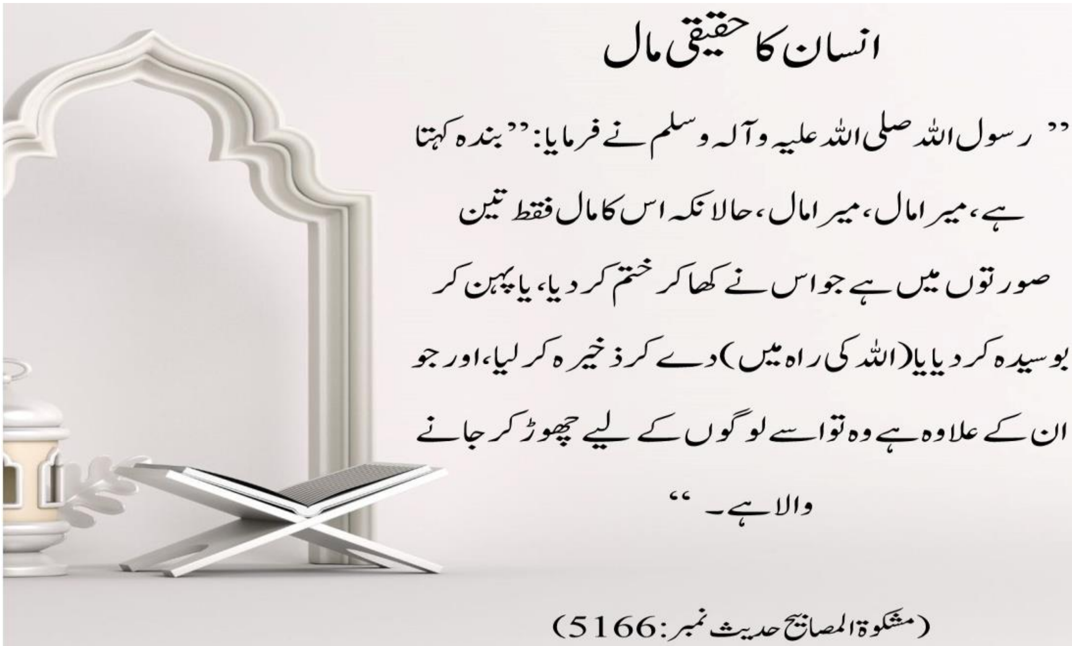
مدنی دور

ہجرت کے بعد دس سالہ مدنی دور میں اعلاء کلمۃ حق کی خاطر پچیس یا ستائیس غزوات یعنی ایسی جنگیں لڑیں جن میں خود شریک ہوئے اور قیادت کی۔ جن میں بدر، احد، خندق، حنین، تبوک، خیبر، فتح مکہ بہت مشہور ہیں اور ستر ۷۰ سے زائد ایسی جنگیں لڑیں جن میں قیادت صحابہ کرامؓ کو عطاء فرمائی خود شریک نہیں ہوئے۔ اس مختصر دور میں صحابہ کرامؓ کی تعلیم و تربیت کر کے علم وادب کے آسمان کا ماہتاب بنایا اور دنیا کی مہذب قوموں کی قیادت بخشی اور عبادت وریاضت میں رشکِ ملائکہ بنایا۔ اخوت ومودّت میں بے مثال بنایا۔ حکمرانی وجہانبانی میں مخالفین کی آنکھوں کا تارا بنایا۔ دس خاندانوں میں شادی کر کے ان کو شرافتِ دامادی بخش کر اسلام سے جوڑا اور دس گھروں کا مشکل ترین کام احسن طریقہ سے نبھا کر اونچا درجہ پایا۔ عورتوں میں فقہ کی ماہر جماعت تیار کی اور ان میں سے بہت سے اُجڑے گھروں کو آباد کیا اور ان کی مایوسی دور کی۔ ایک ہی وقت میں آپ ﷺ مبلغ بھی تھے معلم بھی، خطیب بھی تھے امام بھی، مجاہد بھی تھے حکمران بھی، وفود کی ضیافت بھی کرتے تھے اور تعلیمِ ایمان واعمال بھی۔ اصلاحِ وفود بھی کرتے اور ارسالِ خطوط بھی، دن کو خصومات میں عدالت بھی کرتے اور رات کو رب کی طویل عبادت بھی۔ اپنی ذات میں فرد واحد بھی تھے اور امت بھی **کما قال تعالیٰ ان ابراھیم کان امۃً**۔ الخ

آپ ﷺ نبوت کی مختصر سی تئیس ۲۳ سالہ زندگی میں وہ انقلاب لائے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ ﷺ اخلاق کے اونچے درجے پر فائز تھے۔ آپ ﷺ کی زندگی قرآن پاک کی عملی تصویر تھی۔ آپ ﷺ کی عظمتِ شان کا مقابلہ عرشی وفرشی، کوھی وروھی، جن وانس، ملک وفلک، بیت اللہ اور عرش اللہ سب مل کر بھی نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ افضل البشر انسان ہیں۔

سید الملائکہ بھی آپ ﷺ کے دربان ہیں، کھانا پینا اور بیوی بچے آپ ﷺ کی بشریت کے نشان ہیں، ہجرت ومعراج آپ ﷺ کے حاضر ناظر نہ ہونے کے برہان ہیں۔

آپ ﷺ کی گیارہ بیویاں چار بیٹیاں، تین بیٹے، گیارہ چچے، چھ پھوپھیاں، سترہ ۱۷ باندیاں، گیارہ خدام اور اصحابِ خاص تھے جو کہ چاروں خلفاء راشدینؓ حمزہؓ، جعفرؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، سلمانؓ، حذیفہؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عمارؓ اور بلالؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔



حمد باری تعالیٰ

غلام مصطفیٰ

لوگوں کو دیکھو کیا کر رہے ہیں
جرات سے شرکِ خدا کر رہے ہیں
رب سے ہی ہونے کا جو یقین تھا
اُسی سے خود کو جُدا کر رہے ہیں
قبروں پہ سجدے قبروں پہ دُکھڑے
خلقِ خدا سے دُعا کررہے ہیں
جو شہ رگ سے زیادہ ہے قریب ہستی
اُسی سے ہی بندے دغا کر رہے ہیں
شیطاں کے رستے پہ ناداں چل کے
سب کچھ ہی اپنا فنا کر رہے ہیں
ہر گز نہ مانیں ہم ان کی باتیں
جو شرکِ رب کا نَشا کر رہے ہیں
توحید و سنت پہ جینے والے
حق سچ ہے اپنا بَھلا کررہے ہیں
مومن ہی رب سے وَفا کررہے ہیں
مرتے بھی اُس سے دُعا کررہے ہیں



نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مجھ کو دربارِ نبی کی نوکری جو مل گئ۔
مجھ کو کافی ہے یہی، باقی سہارے مستردَ۔

یا نبی میں آپ ہی کے فیض سے روشن ہوا۔
اک اشارہ آپ کا، باقی اشارے مستردَ۔

بحرِ عشقِ مصطفٰی جو مل گیا، سب مل گیا۔
ڈوبنے آیا ہوں میں تو، سب کنارے مستردَ۔

روضۂ سرورؐ کا نظّارہ نظر میں بس گیا۔
ہیں دیوانوں کے لیے باقی نظارے مستردَ۔

آپ شہکارِ خدا، بے مثل ہیں،لاریب ہیں۔
سب تخیُّل کے سہارے، استعارے مستردَ۔

رونقِ چہرہ ءِ آقا پر فدا ہے جان و دل۔
اور یہ راقم چاند سورج سب ستارے مستردَ۔

ایم راقم نقشبندی



نام ونسب:

آپ ؓ کا نام ''طفیل ؓ'' والد کا نام ''عمرو'' ہے۔(اسد الغابہ اردو ج۵ ص ۱۱۰)

جزیرۃ العرب کا مشہور علاقہ ''تہامہ'' جس کا کچھ حصہ آج کل حجاز مقدس اور کچھ حصہ ملک یمن میں ہے۔ یہاں ایک قبیلہ ''دَوس'' آباد تھا۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی ؓ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے بلکہ اس قبیلہ کے سردار تھے۔(اصحاب الرسول ﷺ ص ۳۴۶)

لقب:

حضرت طفیل بن عمرو دوسی ؓ کا لقب ''ذوالنون'' تھا۔(اسد الغابہ اردو ج۵ ص ۱۱۰)

قبول اسلام:

حضرت طفیل بن عمر دوسیؓ فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ پہنچا۔ مجھے مکہ کے لوگوں نے کہا:

"اے طفیلؓ! آپ ہمارے شہر آئے ہو، ہم بتانا چاہتے ہیں کہ ایک شخص (نبی کریم ﷺ) جو ہمارے یہاں ہے اس نے ہمیں سخت مشکل میں ڈال رکھا ہے۔ ہماری جماعت کو متفرق کر دیا ہے۔ اس کی باتیں جادو کی تاثیر رکھتی ہیں۔ ان کی باتیں باپ بیٹے، بھائی، بھائی، میاں بیوی کے درمیان تفرقہ ڈال دیتی ہیں۔ ہم آپ اور آپ کی قوم کے حق میں فکر مندی رکھتے ہیں۔ (یعنی آپ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں مت جانا۔) لہذا آپ نہ ان کی بات سننا اور نہ بات کرنا۔"

حضرت طفیل بن عمر دوسیؓ فرماتے ہیں کہ واللہ ان لوگوں نے اس قدر کہا تو میں نے قطعہ ارادہ کر لیا کہ میں محمد (ﷺ) کی بات سنوں گا نہ ان سے کروں گا اور کانوں میں روئی رکھ لی کہ کہیں قصداً ان کی بات نہ سن لوں۔

صبح میں بیت اللہ گیا وہاں دیکھا نبی کریم ﷺ کعبہ شریف کے ساتھ کھڑے نماز ادا کر رہے ہیں۔ میں ان کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی کریم ﷺ کی زبان اطہر سے عمدہ کلام سنا دیا۔ میں نے وہ کلام سن کر کہا:

"واللہ! میں شاعر ہوں، عقلمند ہوں، اچھی بری بات کس سمجھتا ہوں، کیوں نہ میں آپ ﷺ کی بات کو سنوں کو بات اچھی ہو گی قبول کر لوں گا۔" جب نبی کریم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی

"اے محمد (ﷺ)! آپ کی قوم نے مجھ سے یہ کچھ کہا ہے۔ مگر رب لم یزل نے مجھے آپ کی باتیں سنا دیں، جب آپ کا کلام سنا تو مجھے بہت اچھا لگا۔ آپ اپنا دین بیان کیجئے۔"

فرماتے ہیں کہ میری بات سن کر نبی کریم ﷺ نے مجھے دین اسلام کی دعوت دی اور آیات قرآنی سنائیں۔ قرآنی آیات سننے کے بعد میرے دل نے گواہی دی کہ اے طفیلؓ اس سے قبل اس سے بہتر نہ تو نے کلام سنا اور اس مذہب سے کوئی معتدل مذہب دیکھا۔

نبی کریم ﷺ نے عرض کی کہ آپ مجھے کلمہ پڑھا دیجئے۔ آپ ﷺ نے مجھے کلمہ طیبہ پڑھایا اور میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ (اسد الغابہ اردو ج۵ ص ۱۱۰)

قوم کو دعوت اسلام:

حضرت طفیل بن عمر دوسیؓ فرماتے ہیں کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گزارش کی کہ

"یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنی قوم میں بہت مانا جاتا ہوں، واپس لوٹ کر ان کو دین اسلام کی دعوت دوں گا۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دیں تاکہ مجھے ان کو دعوت دینے میں مدد ہو۔"

آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ یا اللہ! طفیلؓ کو نشانی عطا فرما۔

جب میں اپنی قوم کے پاس پہنچا تو آنکھوں کے درمیان ایک روشنی پیدا ہو گئی جو مثل چراغ تھی۔ میرے دعا کرنے پر وہ روشنی میری لاٹھی کی نوک پر پیدا ہو گئی اور ایسا معلوم ہوتا تھا میری لاٹھی پر قندیل لٹکی ہوئی ہے۔

میں نے اپنے والد سے عرض کی میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ میرے والد نے کہا اے میرے بیٹے جو تمہارا دین وہی میرا دین ہے۔ بیوی کے پاس آیا اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ اس کے بعد میں نے قوم کو دعوت دی مگر انہوں نے تاخیر کی۔ میں مکہ مکرمہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے میرے قبیلہ کے لیے دعا فرمائی اور ہدایت دی کہ واپس اپنے قبلہ لوٹ جاؤ۔ ان کے ساتھ نرمی سے بات کرو۔

میں واپس لوٹا قوم کو دعوت دینا شروع کی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گئے اس دوران نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے۔ غزوہ خیبر کے موقع اپنے قوم کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے مال غنیمت میں سے حصہ عطا کیا۔ (اسد الغابہ اردو ج ۵ ص ۱۱۱)

بت ''ذوالکفین'' کو جلانے کی اجازت:

حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کی

اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے عمرو بن جمحہ کے بت ''ذوالکفین'' جلانے کے لیے بھیج دیجیے۔ آپ ﷺ نے حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ کو اجازت مرحمت فرما دی۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ تشریف لے گئے، بت کو آگ لگاتے تھے اور یہ پڑھتے تھے۔

یاذاالکفین لستُ من عبادکا
میلادنااقدم من میلادکا
انی حشوت النار فی فوادکا

اے ذوالکفین! میں تیرے پوجنے والوں میں نہیں ہوں۔ میری پیدائش تیری پیدائش سے پہلے ہے۔ میں نے آگ تیرے دل میں بھر دی ہے۔ (اسد الغابہ اردو ج ۵ ص ۱۱۲)

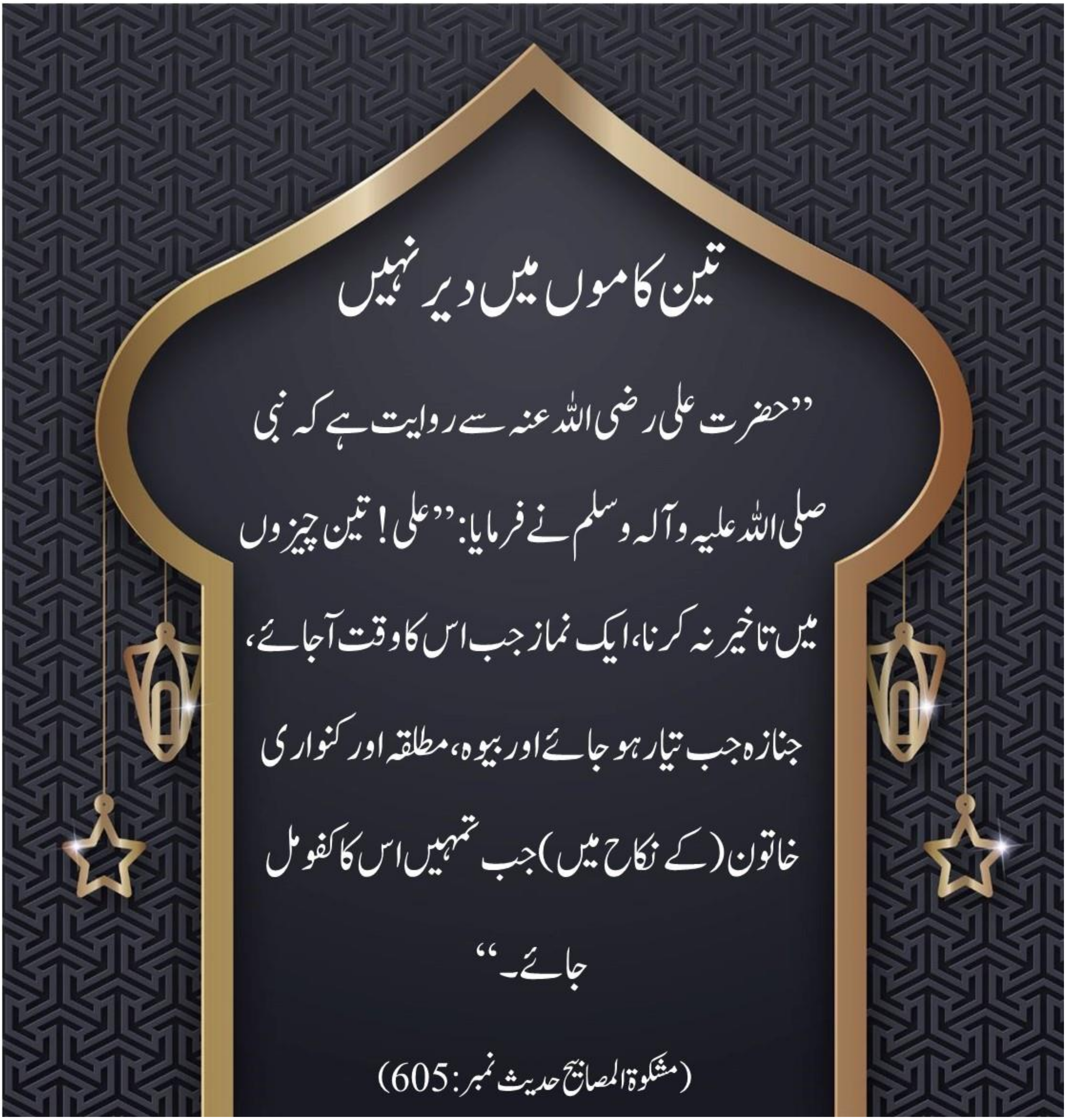
شہادت:

خلیفہ اول حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں جنگ یمامہ کے موقع پر دیگر مسلمانوں کے ساتھ حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ اپنے بیٹے کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوئے۔

راستے میں ایک خواب دیکھا اس کی تعبیر پوچھی تو سب نے کہا کہ اچھی تعبیر ہے۔ لیکن حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ نے اس خواب کی تعبیر خود بیان فرمائی کہ جسم سے پرندہ کا نکلنا مطلب کہ میری روح مجھ سے جدا ہو گی، میرا سر کاٹا جائے گا اور مجھے زمین میں دفن کر دیا جائے گا، میرا بیٹا مجھے تلاش کرے گا لیکن پھر رک جائے گا اس کا مطلب ہوا کہ وہ میرے نقش قدم پر چلے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت طفیل بن عمر دوسیؓ نے جنگ یرموک میں شہادت پائی اور ان کے بیٹے عمرو بن طفیل نے خلیفہ دوم سیدنا عمر بن خطابؓ کے دور میں ایک جنگ کے دوران شہادت پائی۔(اسد الغابہ اردو ج ۵ ص ۱۱۲)

بعض کے نزدیک حضرت سعید بن عامر جُمحیؓ کی وفات ۲۱ھ میں ہوئی۔(اسد الغابہ اردو ج ۴ ص ۹۳۰)





فضائل جمادی الاولیٰ

محمد داؤد الرحمن علی

''جمادی الاولی''اسلامی قمری سال کا پانچواں مہینہ ہے۔

جمادی الاولیٰ کی وجہ تسمیہ:

یہ مہینہ عربی زبان کے دو لفظوں ''جمادی''اور ''الاولیٰ''کا مجموعہ ہے۔جمادی ''جمد'' سے نکلا ہے، جس کے معنی ''منجمد ہو جانے، جم جانے'' کے ہیں اور ''الاولی'' کے معنی ہیں: پہلی، تو جمادی الاولی کے معنی ہوئے ''پہلی جم جانے والی چیز''

جس زمانے میں اس مہینے کا نام رکھا گیا تھا، عرب میں اُس وقت سردی کا موسم تھا، جس کی وجہ سے پانی جم جاتا تھا، اس وجہ سے اس مہینے کا نام ''جمادی الاولی''(سردی کا پہلا مہینہ) رکھا گیا۔(تفسیر ابن کثیر: 7/195،ط:مؤسسة قرطبة)

جمادی الاولیٰ کی فضیلت:

اس مہینے کی فضیلت قرآن وسنت سے کہیں ثابت نہیں ہے۔

جمادی الاولیٰ کے مخصوص نوافل کا حکم:

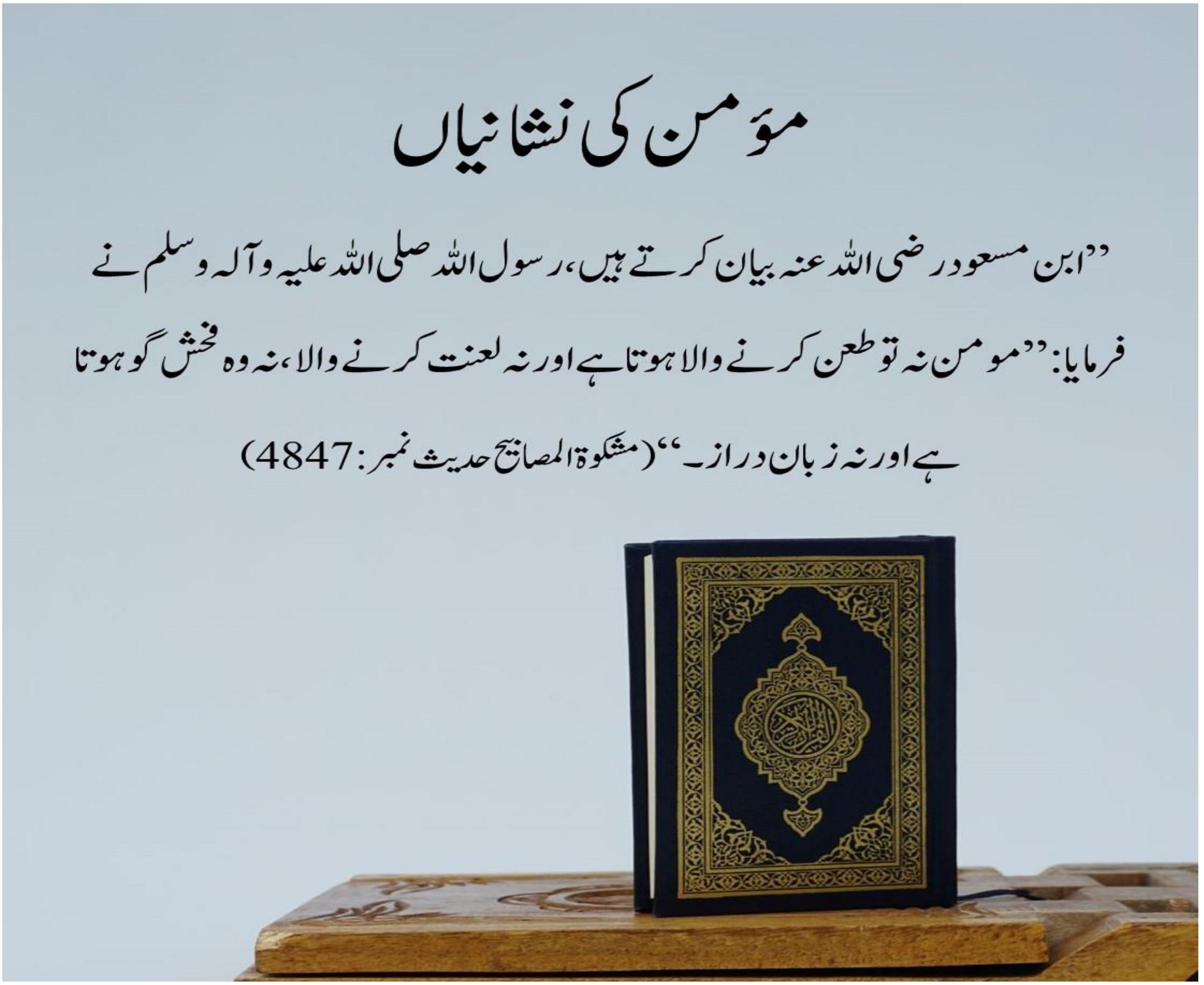
بعض لوگ اس ماہ مبارک میں مخصوص نوافل کا اہتمام کرتے ہیں۔ جس کی فضیلت کو مختلف کتب میں لکھی جاتی ہیں اور عوام الناس کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔(ان مخصوص نوافل کی تفصیلات بارہ مہینوں کے فضائل و مسائل لمفتي محمد فیض احمد اویسی: ص: 65،ط: عطاری پبلشرز، کراتشی میں دیکھی جا سکتی ہیں۔)
واضح رہے کہ اس قسم کی مخصوص نمازوں کا قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت نہیں ہے، اس لیے ان نمازوں کا اس طرح سے التزام نہ کیا جائے، جس کو شریعت

نے منع کیا ہو، کیونکہ ہر مباح کام کو اپنے اوپر لازم کر لینے سے شرعاً وہ مکروہ ہو جاتا ہے، اور ان نمازوں کے پڑھنے پر مخصوص ثواب کا اعتقاد بھی نہ رکھے۔(الآثار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة لعبد الحي الكنوي: ص:122، ط: دار الكتب العلمية)

واقعات جمادی الاولیٰ

ا۔ جمادی الاولی ۳ھ غزوہ بنی سلیم ہوا۔ ۲۔ جمادی الاولی ۴ھ غزوہ ذات الرقاع ہوا۔ ۳۔ جمادی الاولی ۶ھ غزوہ عیص ہوا۔ ۴۔ جمادی الاولی ۸ھ میں سیدنا جعفر طیارؓ شہادت کے اعلیٰ رتبہ پر فائز ہوئے۔ ۵۔ جمادی الاولی ۹ھ میں نبی کریم ﷺ کے فرزند ارجمند سیدنا ابراہیم بن محمد ﷺ کی ولادت ہوئی۔(اسلامی مہینوں کے فضائل واحکام از مولانا روح اللہ نقشبندی ص ۱۳۵ ط دار الشاعت اردو بازار کراتشی)

اللہ پاک ہم سب کو دین صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!!!





فضائل علماء

مفتی محمد شمس الرحمن عثمان

فضائل علماء:

طالب علم ہو، عالم دین ہو، یا ان کے علاوہ دینی مشغلہ رکھنے والا کوئی بھی شخص ہو، اگر وہ علم دین کے حصول اور اس کی اشاعت میں لگا ہوا ہے تو اس کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے شمار بشارتیں ہیں، ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لَنْ يَشْبَعُ الْمُؤْمِنُ مِن خَيْرٍ سَمِعَهُ حَتّٰى يكون مُنْتَهَاهُ الجنَّةَ"

مومن کا پیٹ خیر کی بات سننے سے کبھی نہیں بھرتا ہے، یہاں تک کہ وہ جنت میں پہنچ جائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی ساری زندگی طلب علم میں لگادی، اس کو جنت کی بشارت ہے۔ اس حدیث کے پیش نظر بہت سے اولیاء کرام ساری زندگی طالب علم ہی بنے رہے، حدیث میں طلب علم کی کوئی خاص شکل متعین نہیں ہے؛ لہٰذا جو شخص بھی مرتے وقت تک کسی طرح کے بھی علمی کام میں مشغول ہے، وہ اس بشارت کا مستحق ہے۔

علم دین بہت بڑی نعمت ہے، لہٰذا اس کے حاصل ہونے پر جتنا بھی رشک کیا جائے کم ہے ایک موقعہ پر سرورِ کائنات آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے فرمایا: ''دو طرح کے لوگ ہی رشک کے قابل ہیں ایک شخص تو وہ ہے جو مال پا کر اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور دوسرے شخص کے بارے میں آپ نے فرمایا:

وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِىَ بِهَا

دوسرا شخص وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دین کا علم عطا فرمایا اور وہ اس علم کے مطابق فیصلہ کرتا ہو اور اس علم کو لوگوں کو سکھاتا بھی ہو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دین عطا فرمایا اور اس نے دین کے سکھانے اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا تو یہ قابل رشک آدمی ہے لوگوں کو اس کے نصیب کی بلندی اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے مقام و مرتبہ کی رفعت پر جتنا رشک ہو کم ہے۔

علماء ہی بقائے علم کا سبب ہیں:

یہ علماء ہی کا مقام و مرتبہ ہے کہ ان کے دم سے علم کا وجود ہے جب اللہ تعالیٰ اس دنیا سے علماء کو اٹھا لیں گے تو علم بھی اٹھ جائے گا اور علم کے اٹھ جانے کے سبب ہر جانب تاریکی پھیل جائے گی کوئی صحیح راہ دکھانے والا نہ ہوگا ہر شخص گمراہی کے عمیق غار میں سرتاپیر غرق ہوگا، جہلاء علماء کی جگہ بیٹھ کر ایسی ایسی باتیں بتائیں گے؛ جن پر عمل کرکے وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔اس لئے علماء کے وجود کو باعث خیر و برکت سمجھ کر ان سے حتی المقدور استفادہ کی ہر ایک کوشش کرنا چاہیۓ اور ان سے محبت رکھنے کو اپنے لئے سعادت خیال کرنا چاہیۓ۔اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ لا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انتزاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ العِبَادِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعَلَمَاءَ''

اللہ تعالیٰ دین کا علم اس طرح نہیں اٹھائیں گے کہ لوگوں کے اندر سے کھینچ لے؛ بلکہ علماء کو اٹھا لینے کی صورت میں دین کا علم اٹھ جائے گا، یعنی علماء زندہ رہیں اور ان کے سینوں سے علم نکال لیا جائے یہ نہیں ہوگا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ حاملین علم کو اٹھا لیں گے اور ان کی جگہ دوسرے علماء پیدا نہیں ہوں گے۔اس طرح علم خود بخود ختم ہو جائے گا۔

وارثین انبیاء علماء ہیں:

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اِنَّ الْعُلَمَاءَ ورثةُ الانبياءِ وانَّ الانبياءَ لَمْ يورِّثو دِيْنَارًا ولاَ دِرْهَمًا وانَّمَا وَرَّثُو الْعِلْمَ فَمَنْ اخَذَهُ اَخَذَ بحظٍ وَافِرٍ''

علماءدین انبیاء کرام کے وارث ہوتے ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انبیاء دینار و درہم کے وارث نہیں بناتے ہیں وہ تو علم کا وارث بناتے ہیں جس نے دین کا علم حاصل کر لیا اس نے پورا حصہ پالیا۔

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ بازار سے گزر رہے تھے لوگوں نے دیکھا کہ وہ تجارت میں مشغول ہیں آپ نے فرمایا تم لوگ یہاں کاروبار میں مشغول ہو اور مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے لوگ فوراً مسجد کی طرف دوڑ گئے، وہاں جا کر دیکھا کہ کچھ لوگ تلاوت میں مشغول ہیں، کچھ حدیث پڑھ رہے ہیں، کچھ دوسرے لوگ علمی مذاکرہ میں مصروف ہیں کچھ لوگ ذکر واذکار اور تسبیح و مناجات میں لگے ہوئے ہیں۔ آنے والوں نے یہ دیکھ کر ابوہریرہ سے کہا آپ نے تو فرمایا تھا کہ مسجد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے، اور یہاں تو کچھ ایسا نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا جن چیزوں میں یہ لوگ مشغول ہیں، یہی چیزیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث ہیں۔ یاد رکھو! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث دنیا نہیں ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فدک زمین اسی طرح دیگر انبیاء کرام کسی چھوڑی ہوئی دنیوی چیزوں کا مالک ان کی اولاد میں سے کوئی نہیں بنا، اور اُن چیزوں میں وراثت نہیں چلی؛ بلکہ وہ سب چیزیں تمام مسلمانوں کیلئے وقف ہو گئی تھیں۔

علماء اور انبیاء کا اتنا قریبی تعلق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''مَنْ جاءہُ المَوْتُ وھُوَ یَطْلُبُ الْعِلْمَ لِیحیٰی به الاِسْلاَمَ فَبَیْنَهُ وَبَیْنَ النَّبیینَ درَجَةٌ واحدۃٌ فی الجنَّةِ''

جس شخص کو موت ایسی حالت میں آئی، کہ وہ دین کا علم اسلام کو زندہ کرنے کی غرض سے حاصل کر رہا تھا، تو وہ جنت میں جائے گا۔ اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہو گا۔

عالم دین عابد سے افضل:

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اِنَّ فَضْلَ العَالِمِ عَلَی العابِدِ کَفَضْلِ القَمَرِ لَیْلَةَ البدرِ عَلیٰ سَائِرِ الکَوَاکِبِ''

عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسے کہ چودھویں رات کے چاند کو تمام تاروں پر بڑائی اور برتری حاصل ہوتی ہے، دوسری جگہ عالم کو عابد پر ترجیح دیتے ہوئے فرمایا:

''فضل العالِمِ عَلَی العَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلَی اَدْنَاکُمْ''

عالم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسے کہ مجھ کو تم میں سے ادنی شخص پر حاصل ہے، اس ارشاد سے یہ بات سمجھ میں آئی، کہ جب عالم کو عابد پر اتنی فضیلت ہے تو عام لوگوں پر عالم کو جو فضیلت ہو گی اس کا اندازہ کرنا بہت دشوار بات ہے، لہٰذا عالم کے ساتھ بدکلامی کرنا اس کے بارے میں فاسد خیال رکھا در حقیقت حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی توہین اور ان کے ارشاد کی پامالی ہے، عالم کو عابد پر اس قدر ترجیح دینے کی وجہ وہی ہے جس کا ذکر کیا گیا کہ عالم کا فائدہ متعدّی ہوتا ہے جبکہ عابد کا فائدہ لازم ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عالم شیطان کے ہتھکنڈوں سے واقف ہونے کی بناء پر اس کے دام میں آنے سے خود بھی محفوظ رہتا ہے اور امت کی بھی حفاظت کرتا ہے؛ جبکہ عابد شیطان کے دام میں الجھے رہنے کے باوجود اپنے آپ کو عبادت و ریاضت میں مشغول خیال کرتا ہے، اسی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"فقیہ واحِدٌ اَشدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِن الفِ عابِدٍ"

ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے

عالم کے لیے ساری کائینات کا دعا گو رہنا:

دین کے طالب کیلئے کائنات کی ہر ہر چیز مصروف دعا رہتی ہے؛ حتیٰ کہ فرشتہ اس کے اعزاز میں پر بچھائے رہتے ہیں۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَلَکَ طَرِیقًا یَطْلُبُ مِنْهُ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰهُ بِ طَرِیْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وانَّ المَلاَئِکَةَ لتَضَعُ اَجْنِحَتهَا رِضًی لِطَالِب العِلْمِ وانّ العالِمَ یستغفرلَهُ مَنْ فی السمٰواتِ وَمَن فِیْ الاَرْضِ والْحِیْتَان فی جَوْفِ المَاءِ"

اس حدیث سے جہاں ایک طرف یہ بات معلوم ہوئی کہ علم دین کیلئے سفر کرنا نہایت مستحسن و متبرک فعل ہے وہیں یہ بات معلوم ہوئی کہ علم کیلئے سفر کرنا در حقیقت جنت کی راہ پر گامزن ہونا ہے، دین کا طالب اتنا معزز ہے کہ فرشتے اس کیلئے پر بچھاتے ہیں، پر بچھانے کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے طالب علم کی نہایت عزت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ نہایت تواضع سے پیش آتے ہیں، یا پھر یہ مطلب ہے کہ وہ حقیقتاً پر بچھاتے ہیں لیکن ہم اپنی اِن کوتاہ آنکھوں سے اس کا نظارہ نہیں کر پاتے ہیں اور عالم کیلئے آسمان و زمین کی تمام مخلوق حتیٰ کہ پانی میں مچھلیاں مغفرت کی دعا کرتی رہتی ہیں۔

علماء کی توہین کرنا:

عصر حاضر میں کچھ ایسے احمق لوگ موجود ہیں جو علماء کی توہین کو اپنا فرض عین سمجھتے ہیں، بات بات میں علماء کرام کی توہین کرنا ان کا وطیرہ بن چکا ہے۔ اور کہیں نہ کہیں ہم بھی اس چیز میں شامل ہو جاتے ہیں، آئیں اس کو جان لیتے ہیں کہ ایسا کرنا کس ضمن میں آتا ہے۔؟

بعض عالم اندیشہ کفر:

علماء دین پر توہین آمیز لطائف اس لئے بنانا کہ وہ حاملین علم دین ہیں سخت گناہ ہے اور ایسے شخص کا ایمان خطرے میں ہے، اس کو چاہیے کہ اپنے اس فعل پر توبہ و استغفار کرے اور اپنے ایمان کی تجدید کرے۔

البحر الرائق میں ہے:

"ومن أبغض عالماً من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر، ولو صغر الفقيه أو العلوي قاصداً الاستخفاف بالدين كفر، لا إن لم يقصده".

''جو شخص کسی عالم سے بغیر کسی وجہ کے بغض رکھتا ہے تو اس کے لیے کفر کا اندیشہ ہے، اگر چہ وہ فقیہ یا علوی کو دین کی تحقیر کی نیت سے ذلیل کرے تو وہ کافر ہے، نہ کہ اس کی نیت نہ ہو''۔ (کتاب السیر، باب احکام المرتدین ج نمبر ۵ ص نمبر ۱۳۴، دار الکتاب الاسلامی)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

"عالم دین ہونے کی وجہ سے ان کو برا کہنا، گستاخی کرنا نہایت خطرناک ہے، سخت قسم کا جرم ہے۔ اگر کوئی بد معاملگی ہوئی یا ذاتی نفسانی دشمنی سے یا کسی عالم دین کو گمراہی اور فسق وفجور میں مبتلاء دیکھا اس کی وجہ سے اس کو برا کہتا ہے تو اس کا یہ حکم نہیں اگر چہ برا کسی کو بھی نہیں کہنا چاہیے، سخت سے سخت گناہ گار کو بھی برا کہنے سے کیا فائدہ؟ اس کی اصلاح نصیحت، خیر اخواہی سے کی جائے تو فائدہ بھی ہو۔" (کتاب الایمان والعقائد، ما یتعلق بالاستخفاف باللہ تعالی وشعائرہ ج نمبر ۲ ص نمبر ۵۲۹، جامعہ فارقیہ)

توہین علماء کا نتیجہ علماء امت کی نظر میں:

۱۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر علماء نہ ہوتے تو عوام الناس ڈھور اور ڈنگروں کی سی زندگی گزارتے۔

۲۔ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اہانت علم اور اہانت اہل علم کفر ہے۔

۳۔ مولانا گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو علماء ربانین کی حقارت کرتا ہے اس کی قبر کو کھود کر دیکھو اس کا منہ قبلہ سے پھیر دیا جاتا ہے۔

۴۔ مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ سے کسی نے شکایت کی کہ حضرت مقامی علماء کام میں ساتھ نہیں دے رہے ہیں

اس پر حضرت نے غصہ سے فرمایا: خبر دار آئندہ علماء کی شکایت کرنے سے پرہیز کرو ورنہ تمہارا ایمان پر خاتمہ نہ ہوگا۔ (مجالس ابرار)

۵۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کرام کی مثال ستاروں کی سی ہے جب چمکتے ہیں تو لوگ ان سے راہ پاتے ہیں اور جب چھپ جاتے ہیں تو لوگ حیران وپریشان رہ جاتے ہیں اور عالم کی موت اسلام کا ایسا رخنہ ہے جس کی اصلاح قیامت تک ممکن نہیں (تنبیہ الغافلین)

۶۔ مولانا عمر صاحب پالنپوری رحمت اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ زندگی میں کبھی کسی عالم کی برائی مت کرنا اور کسی عالم کی ذات میں کوی عیب مت نکالنا اگر تم نے کسی عالم کو برا کہا اور اسکے علم کو حقیر سمجھا تو اللہ تمہاری 10 دس نسلوں تک کوئی عالم پیدا نہیں کریگا۔

دعا ہے اللہ پاک علماء کی قدر دانی کرتے ہوئے علم سیکھنے اور سکھانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو توہین علماء سے محفوظ فرماتے ہوئے علماء اہل حق کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

صرف آٹھ مسئلے



مولانا محمد عبید الرحمن صدیق صاحب

ایک روز شیخ شفیق بلخیؒ نے اپنے شاگرد حاتمؒ سے پوچھا: حاتم! تم کتنے دنوں سے میرے ساتھ ہو۔؟

حاتم نے کہا: بتیس برس سے۔

شیخ نے پوچھا: بتاؤ اتنے طویل عرصے میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا۔؟

حاتم نے کہا: صرف آٹھ مسئلے۔

شیخ نے کہا: اناللہ وانا الیہ راجعون۔ میرے اوقات تیرے اوپر ضائع چلے گئے تُو نے صرف آٹھ مسئلے سیکھے۔؟

حاتم نے کہا: استادِ محترم! زیادہ نہیں سیکھ سکا اور جھوٹ بھی نہیں بول سکتا۔

شیخ نے کہا: اچھا بتاؤ کیا سیکھا ہے۔؟

حاتمؒ نے کہا: میں نے مخلوق کو دیکھا تو معلوم ہوا ہر ایک کا محبوب ہوتا ہے قبر میں جانے تک

جب بندہ قبر میں پہنچ جاتا ہے تو اپنے محبوب سے جدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں نے اپنا محبوب نیکیوں کو بنالیا ہے کہ جب میں قبر میں جاؤں گا تو یہ میرا محبوب میرے ساتھ قبر میں رہے گا۔

2- لوگوں کو دیکھا کہ کسی کے پاس قیمتی چیز ہے تو اسے سنبھال کر رکھتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ پھر فرمانِ الٰہی پڑھا

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ خرچ ہو جانے والا ہے۔ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے (سورۃ النحل آیت 96)

تو جو چیز مجھے قیمتی ہاتھ آئی اسے اللہ کی طرف پھیر دیا تا کہ اس کے پاس محفوظ ہو جائے جو کبھی ضائع نہ ہو۔

3- میں نے خدا کے فرمان پر غور کیا.. "اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور نفس کو بُری خواہشات سے باز رکھا' جنت اسی کا ٹھکانہ ہو گا۔ (سورۃ النازعات آیت 40)

تو اپنے نفس کو بُرائیوں سے لگام دی.. خواہشاتِ نفسانی سے بچنے کی محنت کی, یہاں تک کہ میرا نفس اطاعتِ الٰہی پر جم گیا۔

4- لوگوں کو دیکھا ہر ایک کا رجحان دنیاوی مال، حسب نسب، دنیاوی جاہ و منصب میں پایا۔ ان امور میں غور کرنے سے یہ چیزیں ہیچ دکھائی دیں اُدھر فرمانِ الٰہی دیکھا۔

در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ (سورۃ الحجرات آیت 13)

تو میں نے تقوٰی اختیار کیا تا کہ اللہ کے ہاں عزت پاؤں۔

5- لوگوں میں یہ بھی دیکھا کہ آپس میں گمانِ بد رکھتے ہیں، ایک دوسرے کو بُرا کہتے ہیں.. دوسری طرف اللہ کا فرمان دیکھا

دنیا کی زندگی میں ان کی بسر اوقات کی ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیے ہیں۔ (سورۃ الزخرف آیت 32)

اس لیے میں حسد کو چھوڑ کر خلق سے کنارہ کر لیا اور یقین ہوا کہ قسمت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ خلق کی عداوت سے باز آگیا۔

6- لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے سے سرکشی اور کشت و خون کرتے ہیں۔ اللہ کی طرف رجوع کیا تو فرمایا:

در حقیقت شیطان تمہارا دشمن ہے اس لیے تم بھی اسے اپنا دشمن سمجھو۔ (سورۃ فاطر آیت 6)

اس بنا پر میں نے صرف اس اکیلے شیطان کو اپنا دشمن ٹھہرا لیا اور اس بات کی کوشش کی کہ اس سے بچتا رہوں۔

7-لوگوں کو دیکھا پارہ نان(روٹی کے ٹکرے)پر اپنے نفس کو ذلیل کر رہے ہیں،ناجائز امور میں قدم رکھتے ہیں۔میں نے ارشادِ باری تعالیٰ دیکھا۔

زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو۔(سورۃ ہود آیت 6)

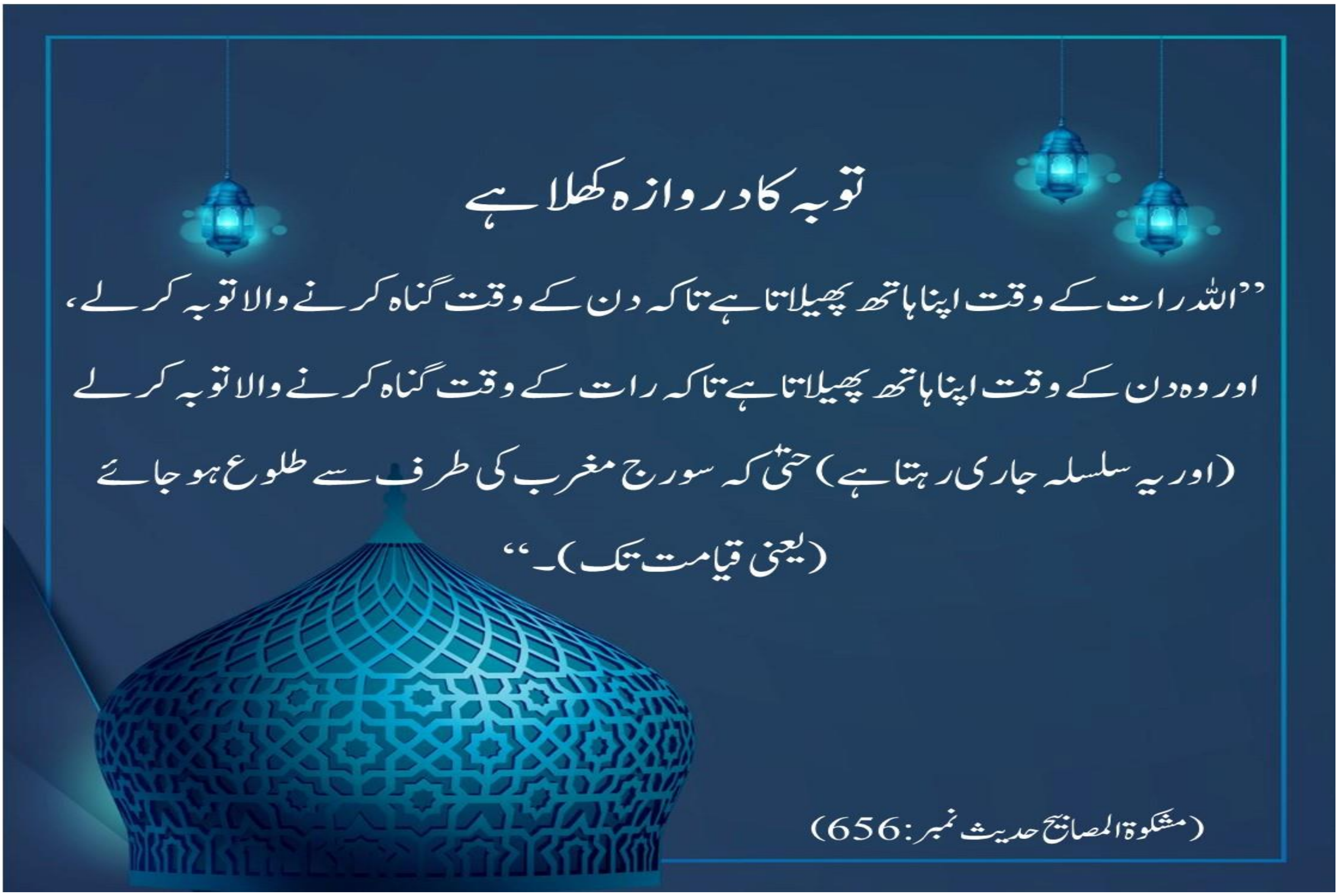
پھر میں ان باتوں میں مشغول ہوا جو اللہ کے حقوق میرے ذمے ہیں۔اس رزق کی طلب ترک کی جو اللہ کے ذمے ہے۔

8-میں نے خلق کو دیکھا،ہر ایک کسی عارضی چیز پر بھروسہ کرتا ہے۔کوئی زمین پر بھروسہ کرتا ہے،کوئی اپنی تجارت پر،کوئی اپنے پیشے پر،کوئی بدن پر، کوئی ذہنی اور علمی صلاحیتوں پر بھروسہ کیے ہوئے ہے۔میں نے خدا کی طرف رجوع کیا۔ارشاد باری تعالیٰ دیکھا:

جو اللہ پر بھروسہ کرے اس کے لیے وہ کافی ہے۔(سورۃ طلاق آیت 3)

تو میں نے اپنے خدا پر توکل کیا۔وہی مجھے کافی ہے

شیخ بلخیؒ نے فرمایا:اے میرے پیارے شاگرد حاتم!خدا تمہیں ان کی توفیق نصیب کرے۔۔میں نے قرآن کے علوم پر مطالعہ کیا تو ان سب کی اصل جڑ انہی آٹھ مسائل کو پایا۔ان پر عمل کرنے والا گویا چاروں آسمانی کتابوں کا عامل ہوا۔(احیاء العلوم از امام غزالیؒ)





بہترین اخلاق

مولانا مفتی ڈاکٹر عتیق الرحمن صاحب

فتح مکہ کا دن اسلام کا شاندار دن تھا، پر نبی اکرم ﷺ کی گردن عاجزی سے یوں جھکی ہوئی تھی کہ اونٹ کے کجاوے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

اس دن تمام وہ لوگ جو راستے میں کانٹے بچھانے والے، او جھڑیاں پھینکنے والے، پتھر مارنے والے سب قطاروں میں کھڑے تھر تھر کانپ رہے تھے کہ پتہ نہیں اب کیا سلوک ہوگا۔

اب اللہ اکبر نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارکہ میں سے یہ لفظ نکلے۔(ازھبوا نتمطلق لا تصریبا علیکم الیوم) یعنی فرمایا جاؤ آج میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا تم سب آزاد ہو۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ عثمان بن طلحہ کو بلاؤ۔

عثمان بن طلحہ کعبہ کا کنجی بردار تھا، ایک مرتبہ جب حضور ﷺ مکہ میں تھے تو آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو کہا تھا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں کعبہ کو کھولوں اور اندر نوافل ادا کروں تو عثمان بن طلحہ نے کہا تھا کہ میں آپ کو چابی نہیں دے سکتا،

آج جب حضور ﷺ فاتح بن کر آئے تو فرمایا بلاؤ ذرا عثمان بن طلحہ کو عثمان بن طلحہ حاضر ہوا تو ایک سمت کھڑا ہو گیا اور تھر تھر کانپنے لگا آپ ﷺ نے چابی لے کر کعبہ کا دروازہ کھولا اندر نوافل ادا کئے پھر تالہ لگا دیا۔

اب تمام صحابہ منتظر تھے کی عثمان بن طلحہ کو تو چابی ملنی نہیں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت علی، حضرت عثمان غنی اور دیگر جید صحابہ ؓ کی خواہش تھی کی چابی ہم کو ملے پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ (عین عثمان بن الطلحہ) فرمایا عثمان بن طلحہ کہاں ہے۔۔۔؟ آپ ﷺ نے اسے بلا کر کہا کہ تو نے تو ہمیں چابی نہیں دی تھی جاؤ ہم تمہیں یہ چابی عطا کرتے ہیں،۔(یعنی فتح مکہ کے بعد بھی کعبہ کا چابی بردار عثمان بن طلحہ کو ہی مقرر کیا)۔

یوں عثمان بن طلحہ نبی اکرم ﷺ کا یہ خلق دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔(ابن حشام، ص174)

پانچ نمازوں کی مثال

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مجھے بتاؤ اگر تم میں سے کسی شخص کے گھر کے سامنے نہر ہو اور وہ ہر روز اس میں پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کوئی میل باقی رہ جائے گی؟" صحابہ نے عرض کیا، اس کے جسم پر کوئی میل باقی نہیں رہے گی، آپ نے فرمایا: "یہی پانچ نمازوں کی مثال ہے، اللہ ان کے ذریعے خطائیں مٹا دیتا ہے۔"

(مشکوۃ المصابیح حدیث نمبر:656)



لوگ حج و عمرہ کرکے بھی نہیں سدھرتے

مفتی ناصر الدین مظاہری صاحب

یہ جملہ میرا نہیں ہے نہ ہی میری طرف منسوب کیا جائے،اس جملہ کا پس منظر یہ ہے کہ عمرہ سے واپسی پر سعودی حکومت اپنی طرف سے پانچ لیٹر زمزم معتمرین کوائرپورٹ پر دیتی ہے، یہ بھی سعودی حکومت کے اخلاقی اصولوں میں سے ہے کہ یہ پانچ لیٹر پانی فلائٹ کی طرف سے طے شدہ سامان کے وزن کے علاوہ ہوگا یعنی پانی تولا نہیں جائے گا تمام ایئر لائنزاس قانون پر عمل کرتی ہیں، پانی کے لئے سعودیہ میں باقاعدہ ائرپورٹ پر ایک فعال شعبہ موجود ہے جو فی پاسپورٹ ایک بوتل زمزم کی دیتاہے اس بوتل کی پیکنگ، نقل وحمل اور دیگر اخراجات کے سعودی حکومت صرف ساڑھے بارہ ریال جمع کراتی ہے۔

ہوا یہ کہ ہمارے عمرہ کے ساتھیوں میں سے تین لوگوں کا پانی دھلی ائرپورٹ پر نہیں ملا۔البتہ لوگوں کو یہ کہتے ضرور سنا کہ ہر بوتل ایک ہے، وزن ایک، پیکنگ ایک، مال ایک اس لیے کسی کی بھی بوتل اٹھالو کیا فرق پڑتا ہے، حالانکہ شرعا اخلاقا اور قانونا یہ سوچ غلط ہے۔

جب جہاز کا مکمل سامان آگیا، چین رک گئی اور تین لوگوں کا پانی نہیں آیا تو میں نے متعلقہ شعبہ سے رابطہ کیا، انھوں نے شعبہ انفارمیشن سے رابطہ کے لئے کہا، شعبہ انفارمیشن نے ہوائی جہاز کی کمپنی کے اسٹاف روم فون کرکے جواب دہی کے لئے کسی بندہ کو حاضر ہونے کا حکم دیا، کافی انتظار کے بعد ایک ائرہوسٹس آئی، میری پوری بات سنی اور اپنے موبائل سے جہاز کے گودام کے عملہ کو فون کرکے تفصیل بتاکر جواب طلب کیا، ادھر سے جواب دیا گیا کہ یہاں کسی کا پانی نہیں ہے سارا پانی چین پر لوڈ کر دیا گیا تھا۔

وہ ائر ہوسٹس کہنے لگی کہ "اصل میں لوگ مکہ اور مدینہ سے حج اور عمرہ کر کے آتے ہیں لیکن یہاں بہت بار ایسا دیکھا گیا ہے کہ اپنے پانی کے ساتھ کسی اور کا بھی پانی بھی لے جاتے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، اسٹاف ہمیشہ ریکویسٹ کرتا ہے کہ صرف اپنا سامان اور اپنی بوتل ہی اٹھائیں لیکن بعض لوگ بالکل نہیں مانتے ہیں۔

اس گفتگو کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ واقعی بہت سے نیک بخت حج و عمرہ کے بعد مزید نیک ہو جاتے ہیں اور بہت سے بد بخت حج و عمرہ کر کے مزید بد بخت ہو جاتے ہیں چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم نانا توی کا ارشاد ہے کہ

حجر اسود کسوٹی ہے اس کو چھونے سے انسان کی اصلی حالت ظاہر ہوتی ہے اگر واقعی فطرتاً صالح ھے تو حج کے بعد اعمال صالحہ کا غلبہ ھوگا اور اگر فطرت طالع ھے، محض تصنع سے نیک بناہوا ہے تو حج کے بعد اعمال سیئہ کا غلبہ ھوگا- اس لئے حاجی کی حالت خطرناک ھے اور اس خطرے کا علاج یہ ہے کہ حاجی زمانہ حج میں اللہ تعالیٰ سے اپنی اصلاح کی خوب دعاء کرے اور دل سے اعمال صالحہ کے شوق کی دعاء کرے اور حج کے بعد اعمال صالحہ کا خوب اہتمام کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے فی آخر الزمان یکثر الحاج بالبیت یہون علیہم السفر ویبسط علیہم الرزق ویر جعون محرومین مسلوبین۔ آخر زمانہ میں بیت اللہ کے حاجیوں کی کثرت ہو جائے گی، ان کے لئے سفر کرنا آسان ہو جائے گا اور روزی بافراط ملے گی مگر وہ محروم اور چھنے ہوئے واپس ہوں گے۔

سردی کے موسم میں مجھ سے ایک صاحب خوشی خوشی کہنے لگے کہ یہ چادر جہاز والوں نے دی تھی میں نے کہا استغفر اللہ، جہاز والے تو مستعار دیتے ہیں یعنی کام نکلنے کے بعد چادر سیٹ پر ہی چھوڑ دینی چاہیے تاکہ ڈرائی کلین کے بعد دوسروں کے لئے لائق استعمال ہو سکے۔ انھیں بہت تعجب ہوا میری اس گفتگو پر یا اپنے اس عمل پر۔

حضرت مولانا فیض الحسن ادیب سہارنپوری کا ایک مشہور شعر ہے کہ

کعبہ بھی گیا پر نہ گیا عشق بتوں کا
زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

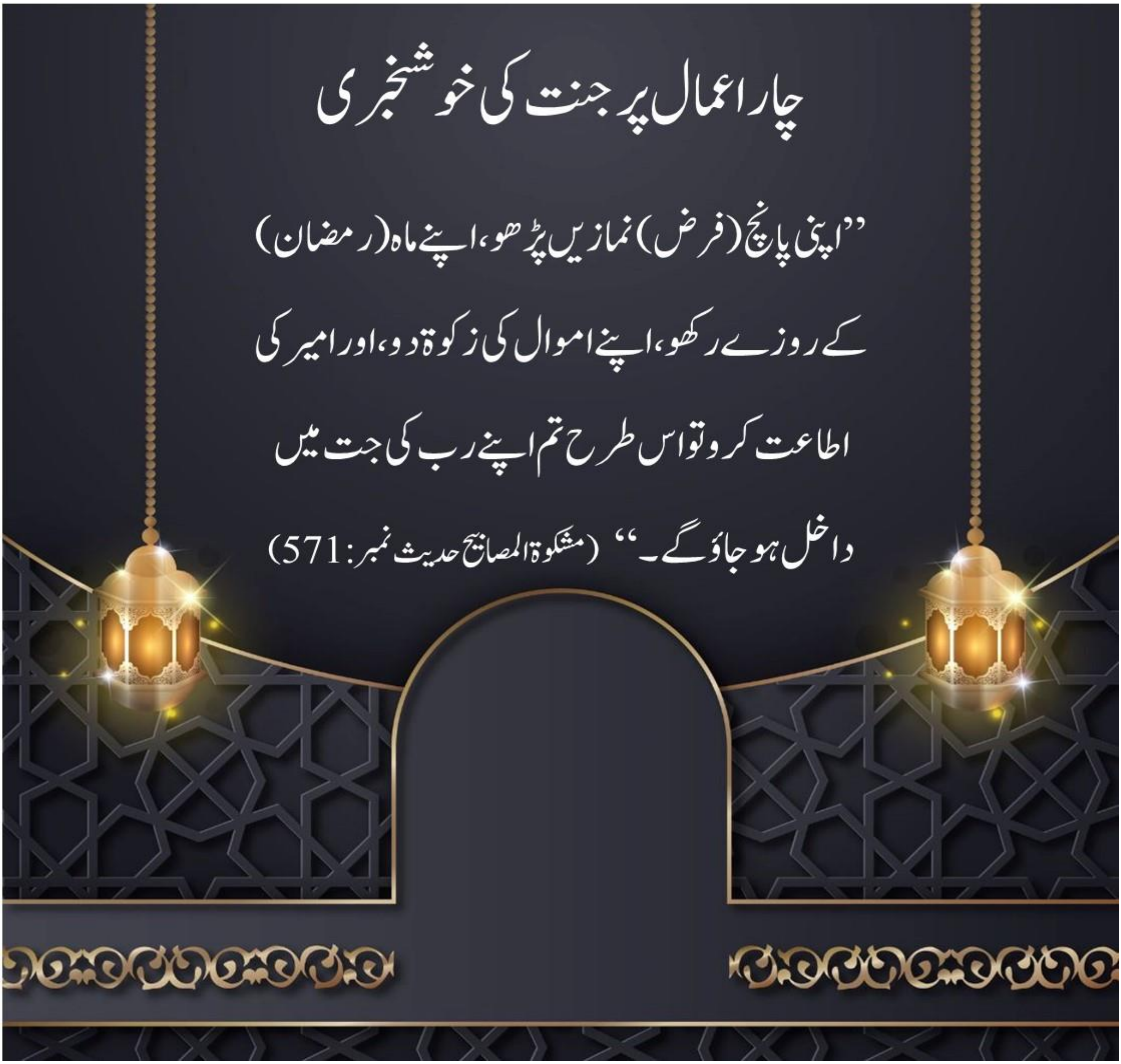
اصل میں لت کا چھوٹنا بہت مشکل ہوتا ہے، نفسانی خواہشات، بد نظری، بد اخلاقی اور بد نیتی وغیرہ بھی اسی میں شامل ہیں، لوگ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی بعض ایسے جرائم اور کرائم کا ارتکاب کرتے ہیں کہ الامان الحذر۔

آپ یہ مت سمجھیں کہ آپ کا کیا کرایا آپ تک ہی محدود رہے گا بلکہ آپ کی کرنی آپ کی اولاد کے لئے بھی بھاری پڑنے والی ہے، بہت سے لوگ حرمین شریفین پہنچ کر ایسی ایسی بد اخلاقی کا شکار ہوتے ہیں کہ جسم پر جھر جھری طاری ہو جاتی ہے۔

پرانے وقتوں سے ایک کہاوت مشہور چلی آرہی ہے کہ "ستر چوہے کھا کے بلی حج کو چلی" یہ کہاوت ایک مستقل پس منظر رکھتی ہے، بہت سے لوگ بد کردار، بد افعال، بد قماش اور بد معاش ہونے کے باوجود نیک بننے کا ڈھونگ رچاتے ہیں، ایسے لوگ اندر سے شیطان ہوتے ہیں اوپر سے پارسا لگتے

ہیں،ان کی بہ تکلف پارسائی وقتی طور پر لوگوں کو دھوکہ تو دے سکتی ہے لیکن اصلاح نہیں ہو پاتی ہے کیونکہ سدھرنے کی نیت نہیں ہوتی ہے،ایسے لوگوں کا نمازیں پڑھنا، زکوۃ دینا، حج کرنا، پیری مریدی، چلہ کشی اور عوتی اسفار سبھی بیکار ہیں جب تک کہ اپنی نیت درست نہ کرلے۔

پانی اگرچہ ایک معمولی چیز ہے لیکن سعودی عرب سے انڈیا تک پہنچتے پہنچتے اس کی قیمت اور لاگت کے ساتھ اہمیت بے انتہا بڑھ جاتی ہے، ہرگز اپنے حج وعمرہ کو ایسے امور کا ارتکاب کر کے برباد نہ کریں۔ کیونکہ پاک وصاف کنویں کو پیشاب کا ایک قطرہ ناپاک کر سکتا ہے، لاکھوں روپے لگا کر حج کرنے والے کے حج کو حقوق العباد کی پامالی خاکستر بنا سکتی ہے۔



اہل بیت کون؟

(قسط دوم)



ڈاکٹر محمد عثمان غنی

بیت کی وضاحت

دونوں قریباہم معنی ہیں کیونکہ آل اصل میں اھل ہی سے بنا ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ اہل کی نسبت انسان،گھر،علم،دولت سب کی طرف ہو سکتی ہے مگر آل کی نسبت صرف دنیاوی یا دینی عزت و وجاہت والے انسان کی طرف ہی ہوتی ہے۔

بیت عربی زبان میں گھر کو کہتے ہیں۔گھر تین قسم کا ہوتا ہے۔

1. بیت نسب 2. بیت مسکن یا بیت سکنیٰ 3. بیت ولادت

اسی اعتبار سے گھر والوں کے بھی تین طبقے ہیں۔

1. اہل بیت نسب 2. اہل بیت سکنیٰ / مسکن 3. اہل بیت ولادت

اہل بیت نسب سے مراد انسان کے وہ رشتہ دار ہیں جو نسب میں آتے ہیں یعنی وہ رشتہ دار جو باپ اور دادا کی وجہ سے ہوتے ہیں انکی نسبی اولاد مثلاً چچا، تایا، اور ان سے چلنے والی نسبی اولاد قیامت تک اور پھوپھی وغیرہ نسب کے رشتے ہیں۔

اہل بیت مسکن سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جو گھر کے اندر آباد ہوتے ہیں یعنی شوہر کی بیوی۔

اہل بیت ولادت سے مراد وہ نسل ہے جو گھر میں پیدا ہوئی ہے۔ اس میں بیٹے، بیٹیاں اور آگے ان کی اولاد شامل ہے۔ جب مطلق اہل بیت کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد مذکورہ تینوں طبقات ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ اہل ایمان ہوں۔ ان میں سے کسی ایک طبقے کو خارج کر دینے سے اہل بیت کا مفہوم پورا نہیں ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبی تعلق ہونا، آپ کے گھر میں ہونا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد پاک میں سے ہونا جیسے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ۔

یہ بات قابل غور ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بھی کوئی کام رد عمل کے طور پر شروع ہوگا اس میں اعتدال و توازن نہیں ہوگا۔ اس میں افراط و تفریط اور انتہا پسندی ہوگی۔ وہ کام اعتدال اور میانہ روی کے اس تصور سے ہٹ کر ہوگا جس کا اسلام نے درس دیا ہے۔ اسلام کی اصل تعلیم اعتدال اور میانہ روی ہے۔ امت مسلمہ کو امت وسط بھی دراصل اسی لئے کہا جاتا ہے کہ باری تعالیٰ نے امت مصطفوی کو وہ وقار اور کردار عطا کیا ہے جو توسط و اعتدال پر مبنی ہے۔

اھل بیت کا مصداق

اہل بیت کہا جاتا ہے گھر والوں کو، اور اصطلاح میں اہلِ بیت "حضور ﷺ کے گھر والوں" کو کہا جاتا ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک شریعتِ مطہرہ کے اندر اہلِ بیت کا مصداق درج ذیل لوگ ہیں۔

مصداقِ اول: ازواج النبی ﷺ (امہات المؤمنین)

دلیل: آیتِ تطہیر

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب:33)

اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے نبی کے گھر والو اور ستھرا کر دے تم کو ایک ستھرائی سے۔

مختلف تفاسیر میں آیتِ تطہیر کی تفسیر

- جس سیاق وسباق میں یہ آیت وارد ہوئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں اہل البیت سے مراد نبی ﷺ کی بیویاں ہیں۔ کیونکہ خطاب کا آغاز ہی یانساء النبی کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔(تفہیم القرآن: ص93: در تفسیر آیتِ 33 سورۃ الاحزاب)
- اوپر کی آیات میں نساء النبی ﷺ کو خطاب تھا، اس لئے بصیغہ تانیث خطاب کیا گیا۔ یہاں اہل البیت میں ازواجِ مطہرات کے ساتھ ان کی اولاد وآباء بھی داخل ہیں۔ حضرت عکرمہ ومقاتل نے یہی فرمایا ہے اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت نقل کی ہے کہ انہون نے آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات کو قرار دیا ہے۔
- لیکن حدیث کی متعدد روایات جن کو ابن کثیر نے اس جگہ نقل کیا ہے اس پر شاہد ہیں کہ اہل بیت میں حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔(معارف القرآن: ص140 ج7)
- چونکہ آگے پیچھے سارا ذکر ازواجِ مطہرات کا چل رہا ہے اس لئے تو وہ اہل بیت میں براہ راست داخل ہیں، لیکن الفاظ کے عموم میں آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیاں، اور ان کی اولاد بھی داخل ہیں۔(آسان ترجمہ قرآن: ص824)
- درج بالا آیت مبارکہ کے سیاق وسباق کو دیکھیں تو وہاں ازواجِ مطہرات کا تذکرہ موجود ہے۔
- وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه

اس پورے رکوع کو آپ اس آیت سے پہلے پڑھ لیں اس کے بعد پڑھ لیں سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد امہات المؤمنین ہیں بلکہ یہی آیت اس کو شروع سے پڑھ لیں

وقرن فی بیوتکن۔۔۔اس میں خطاب مؤنث کے صیغے کے ساتھ ہے۔ اس حصے میں بیوتکن، تبرجن، اقمن، آتین سب مؤنث کے صیغہ جات ہیں۔ اس لیے سیاق وسباق اور ان صیغہ جات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس سے مراد ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں۔

کسی عامی آدمی کو بھی ان آیات کا ترجمہ پڑھنے کے لیے کہا جائے تو اس کو بھی سمجھ آجائے گی کہ یہاں اہل بیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں شامل ہیں۔

اور پھر اس سے بعد والی آیت بھی واذکرن سے شروع ہو رہی ہے جو خطاب جمع مؤنث کے لیے ہے۔

جبکہ **اِنَّمَا یُرِیدُ اللہ لِیُذھِبَ عَنکُمُ الرِّجسَ اَھلَ البَیتِ وَیُطَھِّرَکُم تَطھِیرًا۔** میں یہ نکتہ ہے۔ واللہ اُعلم۔ تا کہ امہات المؤمنین کے ساتھ دیگر اہل بیت کی شمولیت کا بھی امکان باقی رہے۔ یہی وجہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی تو علی و فاطمہ حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کو بطور خاص اہل بیت میں شامل کیا تا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ سیاق سباق تو امہات المؤمنین کے لیے ہے یہ چار ہستیاں اس میں کیسے شامل ہیں۔

اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن چونکہ اس سے پہلے قرآن مجید کی نص سے اس میں شامل تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ضرورت نہ سمجھی۔

اور ویسے بھی معروف بات ہے کہ اہل بیت کے واقعے والی اس حدیث میں یہ تو ذکر ہے کہ چار ہستیاں اہل بیت میں سے ہیں لیکن باقیوں کی نفی کہیں بھی نہیں۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تو کہا تھا کہ یہ چار میرے اہل بیت ہے لیکن یہ نہیں کہا تھا کہ ان کے علاوہ اور کوئی اہل بیت میں سے نہیں ہے۔

رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو کہنا کہ: انت علی خیر اُنت علی مکانک۔ یعنی تم بھلائی پر ہو اور اپنی جگہ پر اس سے مراد یہی ہے کہ تم تو پہلے ہی اہل بیت میں سے ہو۔ اگر مسئلہ یہ ہوتا کہ وہ اہل بیت میں سے نہیں تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کہہ دیتے کہ نہیں تم اس مقام و مرتبے کا استحقاق نہیں رکھتی۔

سیدھی سے بات ہے جب کسی کے گھر والوں کا پوچھا جاتا ہے تو اس میں آدمی کی بیوی یا بیویاں شامل ہوتی ہیں۔ بلکہ آج کل تو لوگ "بچے" بول کر بھی بیوی مراد لیتے ہیں۔

حدیث:

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِي وَقَّاصٍ رضي اللّٰه عنه قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ: (فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ)، (آل عمران، : ۶۱)، دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ، هَؤُلَاءِ اَهْلِيْ۔" (صحیح مسلم، جامع ترمذی)

"حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آیتِ مباہلہ نازل ہوئی، یعنی: "آپ فرما دیں: آؤ! ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے۔" تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا، پھر فرمایا: یا اللہ! یہ میرے اہل (بیت) ہیں۔"

اس حدیث کو "حدیثِ کساء" کہا جاتا ہے۔



نمازاحادیث کی روشنی میں

مولانا محمد سہیل نواز عثمانی

نماز اسلام کے پانچ ستونوں میں سے ایک اہم ستون ہے، نماز بدنی عبادتوں میں سب سے افضل عبادت ہے، مسلم اور کافر کے درمیان فرق پیدا کرنے والی چیز نماز ہے، اسلام کا شعار نماز ہے، یہ شیطان کے چہرے کو سیاہ کرتی ہے، مومن کے لیے باعث فخر ہے، نماز کے وقت اللہ تعالی نمازی ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اللہ تعالی انسان کو سجدہ کرتے وقت ہی سب سے زیادہ پسند کرتا ہے، جب انسان نماز کے لیے تیار ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور نماز کی جانب جتنے قدم بڑھاتا ہے اس کے اتنے گناہ معاف کردے جاتے ہیں اور اتنا ہی ثواب اس کے حق میں لکھ دیا جاتا ہے۔ جنگ میں ہو کوئی چاہے دشمن کی تلوار کے سائے میں یا پھر دشمن کے ڈر سے اپنی جان بچا کر بھاگ رہا ہوں اس وقت بھی نماز کو قضا کی صورت میں ادا کرنا لازم اور فرض ہے، یہ اسلام کا فرمان ہے اور نماز بے شک دارین کی سعادتوں کا ضامن ہے۔

پانچ نمازیں احادیث کی روشنی میں:

''فجر کی دو سنتیں دنیا اور اس کی ہر چیز سے بہتر ہیں۔''(سنن النسائی-1760)

''جو شخص ظہر سے پہلے اور اس کے بعد چار چار رکعتوں کی پابندی کرے گا، وہ آگ پر حرام کر دیا جائے گا۔''(سنن ابو داؤد#1269)

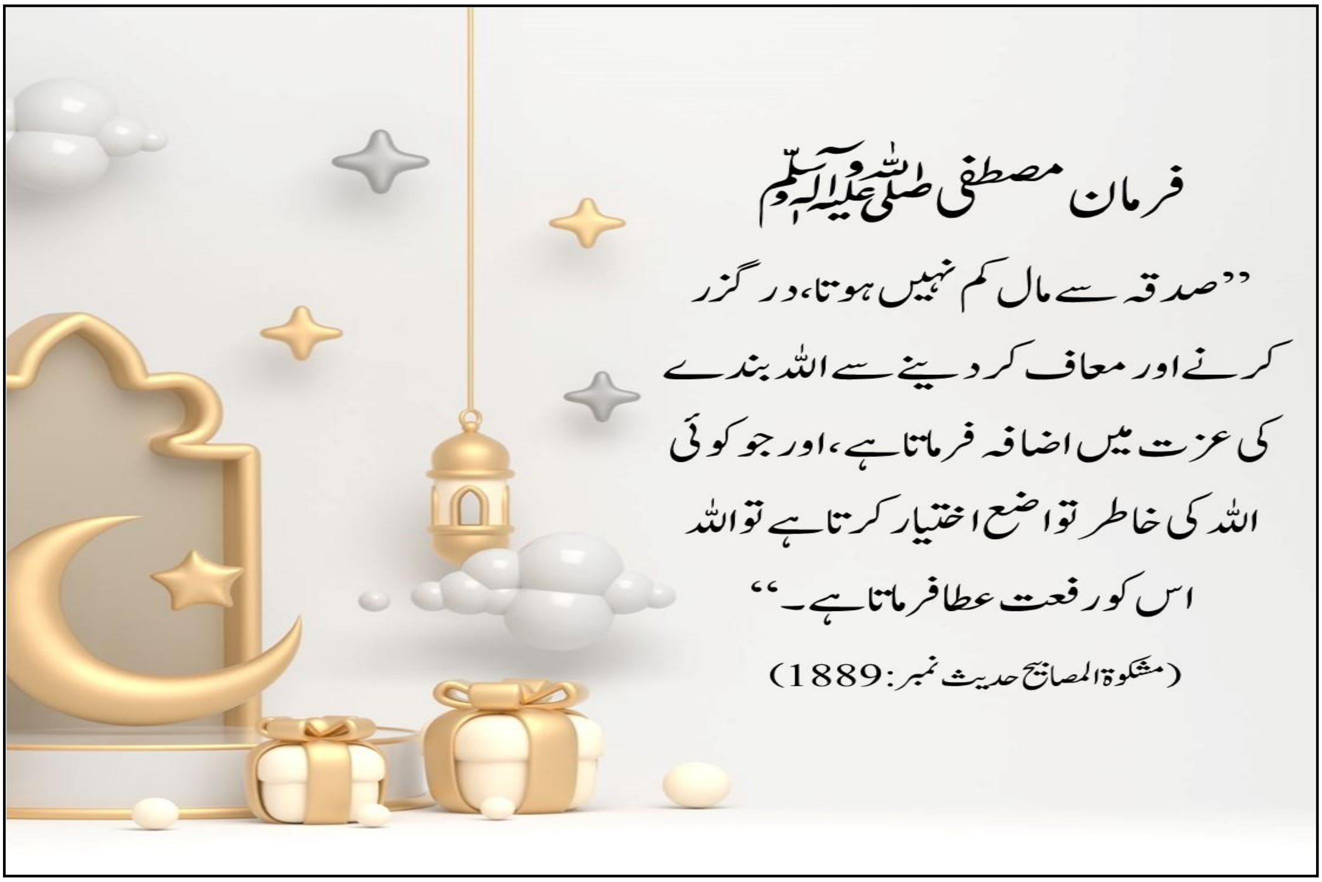
''جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی، اس کا نیک عمل ضائع ہو گیا۔''(صحیح البخاری#553)

''جس کی نماز عصر چھوٹ گئی گویا اس کا گھر اور مال سب لٹ گیا۔''(صحیح البخاری#552)

''میری امت اس وقت تک دین فطرت (دین اسلام) پر قائم رہے گی، جب تک مغرب میں اتنی تاخیر نہ کرے کہ ستارے خوب نکل آئیں۔''(سنن ابنِ ماجہ#689)

''بے شک منافقوں پر فجر اور عشاء سب سے بھاری نمازیں ہیں''(مسند احمد-2455)

''جس نے اللہ کی رضا کے لیے چالیس دن تک تکبیر اولیٰ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھی تو اس کے لیے دو قسم کی برات لکھی جائے گی ایک آگ سے برات، دوسری نفاق سے برات۔''(جامع ترمذی#241)





اسلام کی عالم گیر ترویج میں نبی ﷺ کے سفراء

مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کے آفاقی پیغام کو دنیا بھر تک پہنچانے کے لیے مختلف قوموں اور مختلف مذاہب کے سرکردگان کی طرف مراسلات ومکتوبات روانہ فرمائے۔اِن مراسلات ومکتوبات کے اندر ہر ایک کو واضح انداز میں اسلام کا پیغام پہنچاتے ہوئے لکھا کہ اسلام قبول کرنے سے انکار کرنے کا وبال نہ صرف اس لیے پڑے گا کہ تم نے اپنی ذات کے لیے انکار کردیا بلکہ تمہارے انکار کی وجہ سے تمہاری قوم بھی ہدایت سے دور رہے گی۔ جس کی ضلالت وگمراہی کا وبال بھی تم پر ہی پڑے گا۔

اپنے عقیدہ ونظریہ کے فروغ کے لیے مراسلات ومکتوبات بھیجنے کی نظیر دنیا کے کسی سابقہ مذہب کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔

صلح حدیبیہ کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کی طرف سے ہونے والے ممکنہ حملوں، سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو جب حکمت عملی کے تحت ایک معاہدہ کے ذریعے روک دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فروغِ اسلام کے لیے مختلف ممالک کے بادشاہوں اور مختلف قبائل کے سرداروں کی طرف دعوتِ حق دے کر اپنے سفیروں کو روانہ فرمایا۔اس سلسلہ میں ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بطور سفیر منتخب کیا گیا جو متعلقہ علاقوں، اقوام کے رسم ورواج، زبان اور کلچر سے بخوبی واقف تھے۔اس امر کا لحاظ اس لیے رکھا گیا تاکہ وہ اسلام کے پیغام کو بخوبی ان اقوام اور ممالک تک پہنچا سکیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دنیا کے مختلف بادشاہوں اور امراء اور رُؤوسا کے نام خطوط لکھے تو ان پر مہر ثبت کرنے کے لیے چاندی کی ایک انگوٹھی تیار کی گئی جس پر تین الفاظ درج تھے۔

سب سے اوپر والی سطر میں لفظ اللہ لکھا تھا، دوسری سطر میں لفظ رسول لکھا تھا اور تیسری سطر میں لفظ محمد لکھا گیا تھا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام سفراء وہ عظیم المرتبت ہستیاں تھیں جنھوں نے مشکل ترین حالات میں بھی اپنی جانوں پر دین اسلام اور اعلائے کلمۃ الحق کو مقدم رکھا اور تبلیغ اسلام کے لیے اپنا حق ادا کیا۔ ان صحابہ کرام کی فضیلت و عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مراسلات و مکتوبات نبوی لے کر پہاڑوں اور صحرئوں کو طے کرتے ہوئے اور اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دین اسلام کی ترویج کے لیے متعلقہ لوگوں تک یہ مکتوباتِ نبوی بے خوف و خطر لے کر گئے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفراء کے اسمائے گرامی

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ایک دفعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: اللہ تعالی نے مجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے، تم میری طرف سے اسے دوسروں تک پہنچا۔ اللہ تعالی تم پر رحم فرمائے۔

بعدازاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف صحابہ کرام کو دیگر اقوام و ممالک کی طرف دین اسلام کی اشاعت کے لیے اپنے خطوط دے کر بھیجا۔ ان سفراء صحابہ کے نام اور جن کی طرف ان کو بھیجا گیا ان کا اجمالی جائزہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:

1: تاریخ اسلام کے سب سے پہلے سفیر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب تھے جنہیں 5 ہجری میں حبشہ کی طرف سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی اول کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط دیا۔ نجاشی اول نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔

2: حضرت عمرو بن امیہ کنانی رضی اللہ عنہ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی ثانی کو 6 ہجری کے اواخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط دیا۔ اس نے خط لے کر اپنی آنکھوں پر رکھا، اپنے تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور حضرت جعفرؓ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اسلام کو قبول کیا۔

3: حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو قیصر روم ہرقل کی طرف 6 ہجری کے اواخر میں بھیجا گیا۔ ہرقل نے آپ رضی اللہ عنہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے واضح انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات و خصائل ذکر فرمائے۔ ہرقل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی اور اسلام لانے کا ارادہ کیا مگر اس کے حواریوں نے اس کی رائے سے اتفاق نہ کیا ہرقل نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو کہا: اگر میں جانتا کہ ان تک پہنچ سکوں گا تو ضرور ان کی زیارت کا شرف حاصل کرتا اور اگر میں ان کی بارگاہ میں ہوتا تو ان کے قدموں کو دھونے کی سعادت حاصل کرتا۔ (صحیح بخاری)

اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط میں لکھا کہ بے شک میں مسلمان ہوں لیکن میں اپنے لوگوں کی وجہ سے مغلوب ہوں اور واضح طور پر اپنے اسلام کا اظہار نہیں کر سکتا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تحائف بھی بھیجے۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ اس کا خط لے کر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خط پڑھنے کے بعد فرمایا: اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے، وہ مسلمان نہیں ہوا بلکہ اپنی نصرانیت پر قائم ہے۔ (سہیلی، الروض الانف، ج4، ص:300)

4: حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو مصر کے بادشاہ مقوقس کی طرف 6 ہجری کے اواخر میں روانہ کیا گیا۔

5: حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو حارث بن شمر الغسانی (جو شام میں غسانہ کا بادشاہ تھا) کی طرف روانہ کیا گیا لیکن اس نے اسلام قبول نہ کیا۔

6: حضرت سلیط بن عمرو العامری رضی اللہ عنہ کو 6 ہجری کے اواخر میں یمامہ کے بادشاہ ہوذہ بن علی الحنفی کی طرف بھیجا گیا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا۔

7: حضرت عمرو بن العاصی القرشی رضی اللہ عنہ کو عمان کے بادشاہ جلندی کے دو بیٹوں جیفر اور عبد کی طرف 8 ہجری کے اواخر میں مکتوب دے کر بھیجا گیا۔ یہ دونوں مشرف بااسلام ہوئے۔

8: حضرت علا بن حضرمی رضی اللہ عنہ بحرین کے بادشاہ منذر بن ساوی العبدی کی طرف 6 ہجری کے اواخر میں بھیجا گیا۔ یہ بھی مشرف بااسلام ہوا۔

9: حضرت الحارث بن عمیر الازدی رضی اللہ عنہ کو 8 ہجری میں شام میں بصری کے بادشاہ کی طرف بھیجا گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سفیر کو بصری کے بادشاہ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی شرحبیل بن عمر غسانی نے موتہ کے مقام پر شہید کر دیا۔ ان کے قتل کی وجہ سے ہی اس مقام پر غزوہ موتہ ہوا۔

10: 9 ہجری میں حضرت مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو یمن کے بادشاہ حارث بن عبد کلال کی طرف بھیجا گیا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا۔

11: حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کو یمن کے رئو وساذ والکلاع اور ذو عمرو کی طرف 11 ہجری کو روانہ کیا گیا۔ یہ دونوں بھی مشرف با اسلام ہوئے۔

12: 9 ہجری میں حضرت معاذ بن جبل الانصاری رضی اللہ عنہ کو حارث، شرحبیل، نعیم بن عبد کلال کی طرف بھیجا گیا اور یہ تینوں مشرف بااسلام ہوئے۔

13: حضرت ابو موسی الاشعری رضی اللہ عنہ کو الحارث بن عبد کلال کے بھائیوں کی طرف 9 ہجری کے اواخر میں بھیجا گیا اور یہ سب مشرف بااسلام ہوئے۔۔

14: حضرت عمرو بن حزم الانصاری رضی اللہ عنہ کو نجران کے ابن کعب اور الحارث کے بیٹوں کے طرف 10 ہجری کے اواخر میں بھیجا گیا اور یہ سب مشرف با اسلام ہوئے۔

15: حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ ابرویز بن ہرمز فارس کے بادشاہ کی طرف 7 ہجری کے اوائل میں دعوت نامہ لے کر گئے۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط مبارک کو پھاڑ دیا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان پندرہ سفراء میں سے ایک کو راستے میں شہید کر دیا گیا۔ بادشاہوں میں سے ایک نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب پھاڑ دیا۔ فارس کے بادشاہ ابرویز بن ہرمز اور شام میں غسانہ کا بادشاہ الحارث بن شمر الغسانی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول نہ کیا اور سختی اور دھمکی کے ساتھ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

جن ملوک و رئووسا کی طرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سفراء کو بھیجا، ان میں سے چار اپنے اپنے دین پر قائم رہے۔ اس کے علاوہ باقی سب نے اور ان کے پیروکاروں کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اسی وجہ سے ان علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گئی تھی۔

سفراءِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائل

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا ارادہ فرمایا اور مختلف اقوام و ممالک کے بادشاہوں، امرا، رئووسا کی جانب خطوط بھیجے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امر کے لیے نہ صرف حسین افراد کا انتخاب فرمایا بلکہ ایسے اصحاب کو بھی ترجیح دی جو فصیح اللسان تھے۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ سفیر تھے جو سب صحابہ کرامؓ سے حسین تھے اور جبریل امین علیہ السلام وحی لے کر آپ رضی اللہ عنہ کی شکل میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔

(ابن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج2، ص:385)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفیروں کو چونکہ یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ ان کے قلوب و اذہان علوم نبویہ سے معطر و مطہر تھے، اسی وجہ سے ان میں علم، تحمل اور وبردباری کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی بدرجہ اتم موجود تھی اور وہ مخالف کو دلائل مسکتہ سے قائل کرنے میں کمال رکھتے تھے۔

علامہ سہیلی اپنی کتاب الروض الانف میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ قیصر روم کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام لے کر گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا:

اے قیصر! مجھے اس ذات نے بھیجا ہے جو تم سے بہتر ہے، جسے اس ذات نے پوری کائنات کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے جو تمام لوگوں سے بہتر ہیں۔ سو تم میری بات عاجزی سے سنو، پھر اس کا جواب مخلصانہ مشورے سے دو۔ کیونکہ اگر تم عاجزی نہیں کروگے، سمجھو گے نہیں اور اگر تم نے مخلصانہ مشورہ نہ لیا تو تم انصاف نہیں کر پاؤ گے۔

قیصر نے کہا: لائو کیا ہے؟ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کیا آپ جانتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نماز پڑھتے تھے؟

اس نے کہا: ہاں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں اس ذات کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کے لیے مسیح علیہ السلام نماز پڑھتے تھے، اور میں تمہیں اس ذات کی طرف بلاتا ہوں جس نے اس وقت بھی آسمانوں اور زمین کے نظام کی تدبیر فرمائی جب مسیح علیہ السلام ابھی اپنی ماں کے شکم میں تھے اور میں تمہیں اس نبی آخر الزمان کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کی آمد کی بشارت موسیٰ علیہ السلام نے اور ان کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے دی اور تمہارے پاس اس کے متعلق جو علم موجود ہے وہ اس سلسلہ میں کافی ہے اور اس خبر پر یقین کے لیے اطمینان بخش ہے۔ اگر تم نے اس دعوت کو قبول کر لیا تو تمہارے لیے دنیا اور آخرت میں سرفرازی ہے ورنہ آخرت تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی اور دنیا کا حصہ تم پالو گے۔ اور جان لو کہ تمہارا ایک مالک و پروردگار ہے جو ظالموں، جابروں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے اور عظیم نعمتوں کو بدل دیتا ہے۔

قیصر نے مکتوبِ گرامی کو لے کر اپنی آنکھوں اور سر پر رکھا اس کے بعد اسے چوما اور پھر کہا:

بخدا! میں ہر خط کو پڑھتا ہوں اور ہر عالم سے سوال کرتا ہوں، میں نے اس مکتوب میں خیر ہی خیر دیکھی ہے۔ آپ مجھے مہلت دو تا کہ میں غور کروں کہ مسیح علیہ السلام کس کے لیے نماز پڑھتے تھے۔ مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میں آج تمہیں ایسا جواب دوں کہ کل اس سے بہتر جواب دے سکوں اور میں اپنے سابقہ جواب کی وجہ سے نقصان پائوں اور فائدہ نہ پائوں۔ تم ٹھہرو یہاں تک کہ میں کسی فیصلہ پر پہنچ سکوں۔

وہ اسی حال میں رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ (سہیلی، الروض الانف، 388:4)

حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ 7 ہجری کے اوائل میں فارس کے بادشاہ ابرویز کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعوت نامہ لے کر گئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر کے ساتھ روم کی طرف روانہ کیا۔ ان کے 80 آدمیوں کو رومیوں نے قید کر لیا۔ حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو رومیوں نے دینِ اسلام چھوڑنے اور کفر اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ ان کے کئی حربے استعمال کرنے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ مسلسل انکار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ روم کے بادشاہ نے کہا:

اے عبداللہ بن حذافہ ! اگر تم میرے سر کا بوسہ لے لو تو میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو رہا کر دوں گا۔

آپ نے اپنے دل میں کہا کہ اگرچہ یہ اللہ کا دشمن ہے مگر حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ میں مسلمان قیدیوں کو رہا کروانے کے لیے اس کے سر کا بوسہ لے لیتا ہوں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور مسلمان قیدیوں کو رہائی دلوا کر واپس مدینے پہنچے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو رہا کروا کر سیدنا عمر بن خطاب کی بارگاہ میں پہنچے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

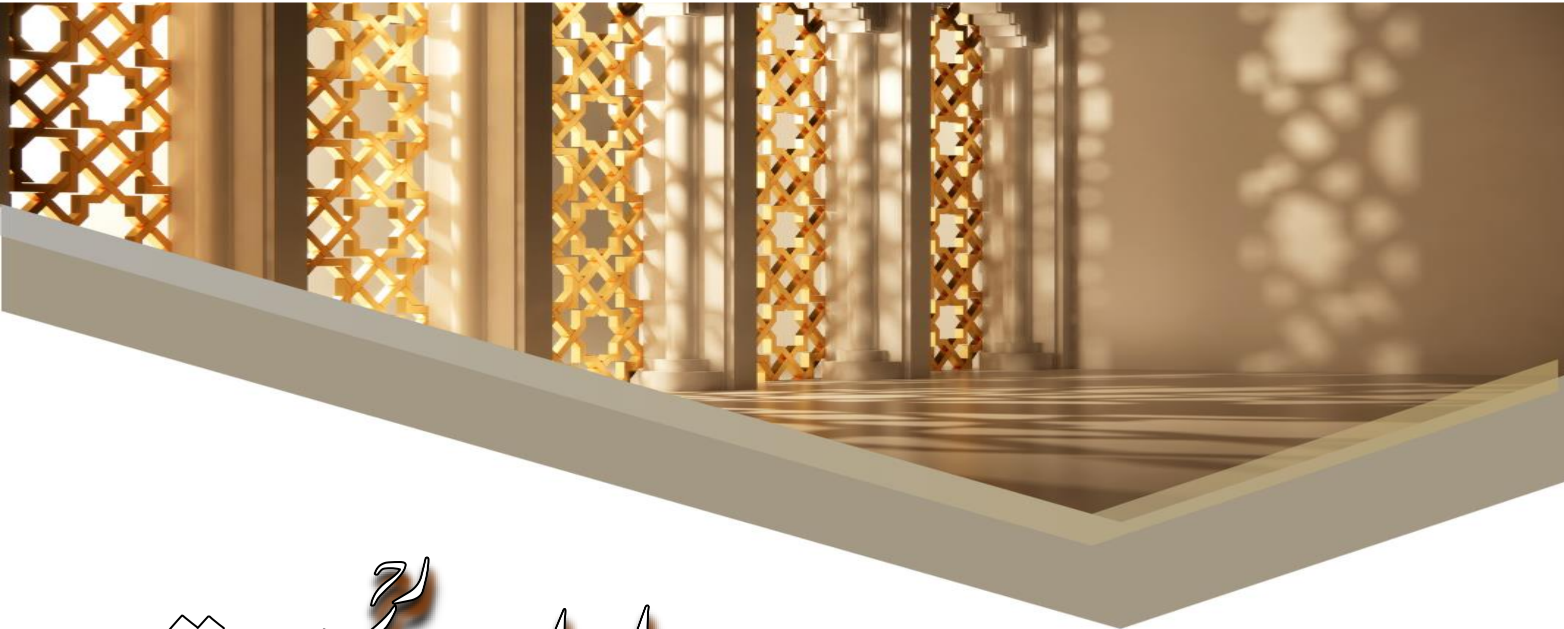
آج ہر مسلمان کا حق ہے کہ وہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سر کا بوسہ لے اور اس کی ابتداء میں کرتا ہوں۔ (عسقلانی، تہذیب التہذیب، ج5، ص:162)

قارئین کرام ! حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پر امن اور مبنی بر حکمت اس دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں ایک مختصر مدت میں اسلام خطہ عرب و عجم میں پھیل گیا۔ اسلام کی اس تبلیغ و اشاعت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان جانثار سفراء صحابہ کرامؓ کا خاص کردار ہے جنہیں اسلام کی ترویج و اشاعت کی سعادت نصیب ہوئی۔ آج ہم تک دین ان ہی سفراء کرام کی محنتوں سے پہنچا ہے۔ اللہ پاک ان سفراء کرام کی برکت سے ہمیں دین اسلام کا مبلغ و داعی بنائے اور ان کے نقش قدم پہ چلائے (آمین)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ کام

"ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ کو کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "وقت پر نماز ادا کرنا۔" میں نے عرض کیا، پھر کون سا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "والدین سے اچھا سلوک کرنا۔" میں نے عرض کیا، پھر کون سا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔" ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، آپ نے مجھے یہ باتیں بتائیں، اگر میں مزید دریافت کرتا تو آپ مجھے اور زیادہ بتاتے۔"

(مشکوۃ المصابیح حدیث نمبر: 568)



احمد بن طولونؒ کا واقعہ

محمد حفص فاروقی

احمد بن طولون رحمہ اللہ معتز باللہ کے زمانے میں مصر کے حاکم تھے اس سے پہلے وہ معروف ترکی بادشاہ طولونؒ کے پاس رہتے تھے اور طولون نے انھیں اپنا بیٹا بنالیا تھا۔ اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ طولونؒ نے انھیں کسی کام سے دار الامارۃ بھیجا وہاں انھوں نے بادشاہ کی ایک کنیز کو محل کے کسی خادم کے ساتھ بے حیائی میں مبتلا پایا۔ احمد بن طولونؒ اپنے کام سے فارغ ہو کر بادشاہ کے پاس واپس پہنچے لیکن اس قصے کا اس سے کوئی ذکر نہیں کیا۔ ادھر کنیز کو یہ یقین ہو گیا کہ ابنِ طولونؒ بادشاہ سے ضرور میری شکایت کر دیں گے اس لئے اس نے یہ حرکت کی کہ طولونؒ کے پاس جا کر احمد بن طولونؒ کی شکایت کر دی کہ وہ ابھی میرے پاس آئے تھے اور مجھے بے حیائی پر آمادہ کرنا چاہتے تھے۔ کنیز نے شکایت اس انداز سے کی کہ بادشاہ اس سے بہت متاثر ہوا اس نے فوراً احمد بن طولون کو بلوایا اور کنیز کی شکایت کا زبانی طور پر تو کچھ ذکر نہیں کیا البتہ ایک مہر شدہ خط ان کے حوالہ کر دیا اور حکم دیا کہ یہ خط فلاں امیر کے پاس پہنچا دو۔ خط میں یہ لگا تھا کہ "جو شخص یہ خط تمھارے پاس لا رہا ہے اسے فوراً گرفتار کر کے قتل کر دو اور اس کا سر میرے پاس بھیج دو۔

احمد بن طولونؒ کو ادنیٰ وہم بھی نہ تھا کہ ان کے خلاف سازش ہو چکی ہے وہ خط لیکر روانہ ہوئے راستے میں اسی کنیز سے ملاقات ہو گئی۔ کنیز یہ چاہتی تھی کہ بادشاہ احمد بن طولونؒ کو مجھ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ لے تا کہ اسے یقین ہو جائے کہ میری شکایت درست تھی چنانچہ اس نے احمد بن طولونؒ کو باتوں میں الجھانے کی کوشش کی اور کہا کہ مجھے ایک ضروری خط لکھوانا ہے آپ خط لکھ دیجئے اور آپ بادشاہ کا جو مکتوب لے کر جا رہے ہیں وہ میں دوسرے خادم کے ذریعے بھجوا دیتی ہوں، چنانچہ اس نے بادشاہ کا مکتوب اسی خادم کے حوالے کر دیا جس کے ساتھ وہ مبتلا ہوئی تھی۔ وہ خادم خط لے کر اسی امیر کے پاس پہنچا امیر نے خط پڑھتے ہی اسے قتل کرا دیا اور اس کا سر طولون کے پاس بھیج دیا۔ بادشاہ وہ سر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور احمد بن طولونؒ کو بلوایا۔ احمد بن طولونؒ نے سارا ماجرا سنادیا اور کنیز نے بھی اپنے جرم کا اعتراف کر لیا اس دن کے بعد سے بادشاہ کی نظر میں احمد بن طولونؒ کی وقعت دوچند ہو گئی۔ اور اس نے وصیت کی کہ میرے بعد ان کو بادشاہ بنایا جائے۔ (البدایہ والنہایہ ص٤٦ ج١١)

دین پر رونے والا کوئی نہیں۔



صاحبزادہ حافظ محمد قاسم اسامہ

امام ابن عقیل الحنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میں نے لوگوں کے احوال کا جائزہ لیا تو بڑا ہی عجیب معاملہ پایا، وہ گھروں کے اجڑنے پر روتے ہیں، پیاروں کی موت پر آہیں بھرتے ہیں، معاشی تنگ دستی پر حسرتیں کرتے ہیں اور زمانے کو برا بھلا کہتے ہیں، حالانکہ وہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کی عمارت گر رہی ہے، دین فرقوں میں بٹ چکا ہے، سنتیں مٹ رہی ہیں اور بدعات کا غلبہ ہے، گناہوں کی کثرت ہے، لیکن ان میں سے اپنے دین کیلیے رونے والا کوئی نہیں ہے، اپنی عمر برباد کرنے پر کسی کو افسوس نہیں ہے، اپنے وقت کو ضائع کرنے پر کوئی غم نہیں ہے، اور میں ان سب کا ایک ہی سبب دیکھتا ہوں کہ "دین ان کی نظروں میں ہلکا ہو گیا ہے اور دنیا ان کی فکروں کا محور بن چکی ہے۔" (الآداب الشرعیۃ لابن مفلح: ٣/٢٤٠)



حاتم کی سخاوت

محمد عبدالوہاب چترالی

ملک یمن میں آباد قبیلہ طے کے سردار حاتم طائی کے پاس عربی نسل کا ایک بہت ہی عمدہ گھوڑا تھا۔ خوبصورتی اور تیز رفتاری میں یہ گھوڑا اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ ایک دن روم کے بادشاہ کے دربار میں حاتم طائی کی سخاوت اور اسکے گھوڑے کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ اپنی اپنی معلومات کے مطابق ہر شخص حاتم کی تعریف کر رہا تھا۔ درباریوں کی یہ باتیں سن کر بادشاہ نے کہا، جب تک آزمانہ لیا جائے کسی کے بارے میں رائے قائم کرنا عقلمندی کے خلاف ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ کچھ لوگ حاتم کے پاس جائیں اور اس سے اسکا وہی گھوڑا مانگیں۔ اگر وہ دے دے تو بے شک تعریف کا مستحق ہے اور اگر نا کرے تو ثابت ہو جائے گا کہ ریاکار ہے۔ سب نے بادشاہ کی اس بات کو درست مانا اور وزیر کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر حاتم طائی کے ہاں پہنچ گیا۔

شاہ روم کا یہ وفد رات کے وقت حاتم کے گھر جا پہنچا۔ اتفاق سے اس رات کو بارش بھی ہو رہی تھی اور بادل خوفناک انداز میں گرج چمک رہا تھا۔ اس زمانے میں ایسے موسم میں بہت سے مہمانوں کے کھانے اور آرام کا انتظام کرنا بہت دشوار کام تھا۔ لیکن حاتم نے ذرا پریشانی محسوس نہ کی۔ اس نے فوری ایک گھوڑا ذبح کیا اور دستر خوان بچھوا کر لذیذ بھنا ہوا گوشت مہمانوں کو کھلایا۔

صبح ہوئی تو وزیر نے جب حاتم طائی سے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اور وہ گھوڑا ان سے مانگا جسکی دور دور تک شہرت تھی۔

وزیر کی یہ بات سن کر حاتم بہت افسردہ ہوا اور بولا اگر آپ وہ گھوڑا ہی لینے آئے تھے تو آتے ہی یہ بات کیوں نہ بتائی؟ اب تو وہ پیارا گھوڑا اس دنیا میں نہیں ہے اور جیسا کہ آپکو معلوم ہے، رات بہت سخت طوفان تھا جس وجہ سے یہ ممکن نہ تھا کے میں چراگاہ سے کوئی جانور منگواتا اور آپکے کھانے کا انتظام کرتا۔ گھر پر صرف وہی گھوڑا تھا اور مجبور ہو کر اسی کو ذبح کر دیا، کیونکہ میں یہ بات کسی طرح بھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ میرے مہمان بھوکے سوئیں۔ وزیر حاتم کی یہ بات سن کر حیران رہ گیا اس نے کہا، لوگ آپکی جس قدر تعریف کرتے ہیں خدا کے فضل سے آپ اس سے بھی زیادہ شریف اور سخی ہیں۔

بادشاہ روم کو جب یہ سارا واقعہ معلوم ہوا تو اس نے بھی یہ بات مان لی کہ حاتم طائی واقعی بہت سخی اور تعریف کا حقدار ہے۔

سنی جب شاہ نے یہ ساری روداد

صمیم قلب سے حاتم کو دی داد

کہا بے شک وہ اک سچا سخی ہے

اسے حاصل اسی سے سروری ہے

حضرت شیخ سعدیؒ نے اس حکایات میں یہ بات واضح کی ہے کہ ریا سے پاک اور کھرے انسان کی مثال خالص سونے جیسی ہوتی ہے کہ جب اسے پرکھا جائے تو اسکی قدر و قیمت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے عقلمندی کا تقاضا کے انسان نکلی زندگی کبھی اختیار نہ کرے۔ اگر نیک نامی کی خواہش ہے تو نیک کام کرے۔ (حکایات سعدیؒ صفحہ 55)

اسم مصدر (قسط چہارم)



سمیع اللہ حضروی صاحب

قسط سوم میں بناوٹ کے لحاظ سے مصدرِ متعدی کی اقسام پر بات کی گئی تھی۔اِس قسط میں مصدرِ متعدی کی اقسام بہ لحاظِ مفعول پر بات کی جائے گی۔

مصدر متعدی کی اقسام (بہ لحاظِ مفعول)

مفعول کے لحاظ سے مصدرِ متعدی کی تین اقسام ہیں۔

1-متعدی بہ یک مفعول

وہ مصدرِ متعدی ہے جس کے افعال ایک مفعول کو چاہیں اور بات یا جملہ مکمل ہو جائے۔ جیسے

1-اسلم نے اخبار پڑھا۔

2-آپ نے پانی پیا ہے۔

3-میں نے سبق یاد کر لیا تھا۔

ان مثالوں میں اسلم،آپ اور میں فاعل (کام کرنے والے) ہیں۔اور جملہ شمار 1 میں اخبار

جملہ شمار 2 میں پانی اور

جملہ شمار 3 میں سبق مفعول ہیں۔

پڑھنا، پینا اور کرنا مصدر متعدی بہ یک مفعول ہیں۔ اس طرح اسے متعدی بہ یک مفعول کہا جائے گا۔

2۔ متعدی بہ دو مفعول

یہ وہ مصدرِ متعدی ہے جن سے بنے ہوئے افعال کے لیے دو مفعول لائے جائیں۔ یا وہ مصدر جس کا فعل دو مفعول چاہے۔ جیسے

1۔ اکبر نے سلیم کو قلم دیا۔

2۔ میں نے اسے انعام دیا تھا۔

3۔ جاوید نے صابر کو رقم دی۔

ان مثالوں میں اکبر، میں اور جاوید فاعل ہیں جب کہ بالترتیب جملہ شمار 1 سلیم اور قلم

جملہ شمار 2 اسے اور انعام جملہ شمار 3 صابر اور رقم میں دو مفعول ہیں۔

دینا، مارنا مصدرِ متعدی بہ دو مفعول ہیں۔

3۔ مصدرِ متعدی بہ سہ مفعول

یہ وہ مصدرِ متعدی ہے جس سے بنے ہوئے افعال کے لیے تین مفعول کی ضرورت پڑتی ہے۔ یعنی وہ مصدر جس کے فعل یا افعال تین مفعول کو چاہیں۔ جیسے

1۔ اکرم نے سلیم کو فہیم سے کتاب دلوائی۔

2۔ میں نے نعیم سے جاوید کی رقم چھڑوائی۔

3۔ آپ نے اصغر کو کمال سے پانی پلوایا۔

ان مثالوں میں اکرم، میں اور آپ فاعل ہیں۔ جب کہ جملہ شمار 1 میں سلیم، فہیم اور کتاب

جملہ شمار 2 میں نعیم، جاوید اور رقم

جملہ شمار 3 میں اصغر، کمال اور پانی تین مفعول ہیں۔

دلوانا، چھڑوانا اور پِلوانا مصدرِ متعدی بہ سہ مفعول ہیں۔

آخر میں کثیر الاستعمال مصادر کی مذکورہ اقسام کی فہرست

1-مصدر لازم=ابلنا

حاصل مصدر=ابال

متعدی=ابالنا

متعدی المتعدی=ابلوانا

2-مصدر لازم=اترنا

حاصل مصدر=اتار،اتارا

متعدی=اتارنا

متعدی المتعدی=اتروانا

3-مصدر لازم=بننا

حاصل مصدر بناوٹ

متعدی=بنانا

متعدی المتعدی=بنوانا

4-مصدر لازم=بولنا

حاصل مصدر=بول

متعدی=بلانا

متعدی المتعدی=بلوانا

5-مصدر لازم=پڑھنا

حاصل مصدر=پڑھائی

متعدی=پڑھانا

متعدی المتعدی=پڑھوانا

6-مصدر لازم=پکڑنا

حاصل مصدر=پکڑ

متعدی=پکڑانا

متعدی المتعدی=پکڑوانا

7-مصدر لازم=لکھنا

حاصل مصدر=لکھائی

لکھاوٹ

متعدی=لکھانا

متعدی المتعدی=لکھوانا

8-مصدر لازم=دیکھنا

مصدر لازم=دکھاؤ

متعدی=دِکھانا

متعدی المتعدی=دِکھلانا

9-مصدر لازم=کہنا

حاصل مصدر = کہاوت،

کہا

متعدی = کہلانا

متعدی المتعدی کہلوانا

10-مصدر لازم = گرنا

حاصل مصدر = گراوٹ

متعدی = گرانا

متعدی المتعدی = گروانا

وغیرہ۔

ایک بات ذہن نشین رہے کہ مصدر لازم سے مصدر متعدی بنانے کا کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہے۔ کئی ایسے متعدی ہیں جو خلافِ قیاس یعنی قاعدے کے خلاف ہیں۔ جیسے بھیگنا سے بِھگونا اور بعض مصدر لازم اور مصدرِ متعدی دونوں ہی الگ الگ ہیں۔ جیسے

پھٹنا (مصدر لازم) سے پھاڑنا (مصدر متعدی)۔ پڑنا (مصدر لازم) سے ڈالنا (مصدر متعدی)۔

رہنا (مصدر لازم) سے رکھنا (مقدر متعدی)۔

ٹوٹنا (مصدر لازم) سے توڑنا (مصدر متعدی) وغیرہ۔

بعض ایسے مصادر لازم ہیں جو مصدر متعدی نہیں بن سکتے۔ جیسے آنا، گھبرانا، کانپنا وغیرہ۔ ان مصادر کو مصدر لازم محدود کہا جاتا ہے۔



مترادفات القرآن

محترمہ طاہرہ فاطمہ

آرزو کرنا

کے الفاظ آئے ہیں۔ **امل،امنیۃ** اور **ودّ** آرزو کرنا کے لیے

امل :1

ایسی آرزو اور توقع جس کا پورا ہونا گو متوقع اور منتظر ہوتا ہے تاہم مشکل اور بعید ہوتا ہے چنانچہ ابن فارس نے اس کے معنی **التثبت والانتظار** درج فرمائے ہیں۔ یعنی کسی آرزو کی آس لگائے رکھنا اور اس کی تکمیل کا منتظر رہنا، زندگی کی بہاریں دیکھنے کا آرزومند رہنا۔ جیسے کسی شاعر نے اپنے دوست سے وفا کی آرزو میں یہ مصرع کہہ یا جو امل کے مفہوم کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔

وفا فریب ہے طول امل ہے کچھ بھی نہیں

:ارشاد باری تعالی ہے

ذَرۡهُمۡ يَأۡكُلُواْ وَيَتَمَتَّعُواْ وَيُلۡهِهِمُ ٱلۡأَمَلُۖ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُونَ (سورۃ الحجر آیت 3

آپ (غمگیں نہ ہوں) انہیں چھوڑ دیجیے وہ کھاتے (پیتے) رہیں اور عیش کرتے رہیں اور (ان کی) جھوٹی امیدیں انہیں (آخرت سے) غافل رکھیں پھر وہ عنقریب (اپنا انجام) جان لیں گے

امنیّۃ :2

ایسی آرزو جس کی کوئی مضبوط بنیاد موجود نہ ہو۔ حسن ظن و تخمین پر کوئی خیال باندھنا پھر اس کی آرزو رکھنا۔ گویا یہ لفظ باطل اور جھوٹی خواہشات اور توقعات کے لیے آتا ہے۔ قرآن میں ہے :

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (سورۃ البقرۃ آیت 111)

اور یہودی اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی بہشت میں نہیں جانے کا یہ ان لوگوں کے خیالات باطل ہیں اے پیغمبر ان سے کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔

اور بعض علماء نے درج ذیل آیت :

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ (سورۃ البقرۃ آیت 78)

اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں کہ اپنی آرزؤں کے سوا اللہ کی کتاب سے واقف ہی نہیں اور وہ صرف اٹکل سے کام لیتے ہیں۔

یعنی **الاکذبا** کے معنی **الاامانی** سے مراد وہ روایات لی ہیں جو انہوں نے پنی طرف سے دین میں شامل کر لی تھیں یا تحریف کر لی تھی اور مجاہد نے میں **امانی** سے مراد بے سوچے سمجھے تلاوت کرنا مراد لیا ہے۔ جیسا کہ اس خیال کی تائید بعض دوسری آیات بھی کرتی ہیں **امانی** جھوٹ کیا ہے اور بعض نے بمعنی اس نے جھوٹ بولا۔ قرآن میں ہے **تمنی الرجل** بمعنی جھوٹی بات کرنا ہے۔ **تمنی** اور :

أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنَّىٰ (سورۃ النجم آیت 24)

کیا جس چیز کی انسان آرزو کرتا ہے وہ اسے ضرور ملتی ہے؟

وُدّ :3

اس کے بنیادی معنی میں دو باتیں پائی جاتی ہیں۔ 1) کسی چیز سے محبت کرنا۔ 2) اس کے حصول کی آرزو کرنا۔ پھر یہ لفظ کبھی دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے کبھی کسی ایک معنی میں۔ مثلاً درج ذیل آیت :

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ (سورۃ الحجر آیت 2)

کفار (آخرت میں مومنوں پر اللہ کی رحمت کے مناظر دیکھ کر) بار بار آرزو کریں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے

میں دونوں باتیں پائی جاتی ہیں اور درج ذیل آیت :

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا (سورۃ مریم آیت 96)

اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے رحمٰن انکی محبت مخلوقات کے دل میں پیدا کر دے گا۔

میں صرف پہلا مفہوم پایا جاتا ہے۔

ماحصل:

- **امل**: بظاہر غیر متوقع اور دیر سے وقوع پذیر ہونے والی آرزو۔
- **امنیّۃ**: باطل اور بے بنیاد آرزو کو کہتے ہیں۔(اور جس آرزو کی بنیاد موجود ہو وہ **رجاء** ہے۔)
- **ودّ**: کسی بھی چیز کی محبت اور آرزو کو کہتے ہیں۔

آڑ

آڑ کے لیے **برزخ، حجر، حجز** اور **حدّ** کے الفاظ آئے ہیں۔

برزخ :1

دو چیزوں کے درمیان کوئی حائل چیز جبکہ ان دونوں چیزوں کے درمیان کافی وسعت ہو تو یہ حائل چیز برزخ ہے(م ل) جیسے دنیا اور آخرت کے درمیان یا مرنے سے لے کر قیامت تک کا درمیانی وقفہ برزخ کہلاتا ہے۔

:لیکن ابن الفارس نے جو کافی وسعت کی قید لگائی ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ قرآن کریم اس کی تائید نہیں کرتا ارشاد باری ہے

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ○بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ(سورۃ الرحمن آیت20،19)

اسی نے دو سمندر رواں کئے جو باہم مل جاتے ہیں۔ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے وہ(اپنی اپنی) حد سے تجاوز نہیں کر سکتے۔

البتہ اگر "کافی کھلی جگہ" کے بجائے کافی فرق(خواص وغیرہ کا) ہوتا تو موزوں تر تھا۔

دراصل دو چیزوں کے درمیان ایک تیسری چیز ہوتی ہے جو آڑ کا کام بھی دیتی ہے مگر اس تیسری چیز یعنی برزخ میں دونوں چیزوں کے خواص بھی موجود **برزخ** ہوتے ہیں خواہ ایک چیز کے دوسری سے زیادہ ہوں یا برابر۔عالم برزخ کی بھی یہی صورت ہے کہ مومن کے لیے راحت اور کافر کے لیے عذاب یہیں سے شروع ہو جاتا ہے لیکن یہ اخروی راحت یا عذاب سے کم تر درجہ کا ہوتا ہے۔

اور دو دریاؤں کا درمیانی برزخ یوں ہوتا ہے کہ سمندر ایک گرم رو چل رہی اور دوسری سرد رو ہے تو اس برزخ کا پانی معتدل ہو گا۔اسی طرح اگر ایک طرف میٹھا پانی اور دوسری طرف کڑوا اور کھاری تو اس برزخ کا پانی درمیانی کیفیت کا حامل ہو گا اور اس برزخ کی چند مثالیں دی جاسکتی ہیں جن میں درمیانہ قسم کے خواص موجود ہوتے ہیں۔ مثلاً جنت اور دوزخ کے درمیان اعراف کہ یہاں نہ عذاب ہو گا نہ راحت۔انسان اور حیوان کے درمیان بن مانس،انسان اور مچھلی کے درمیان جل پری،حیوانات اور جمادات کے درمیان مرجان، ٹھوس اور مائع اشیا کے درمیان پارہ وغیرہ وغیرہ۔

حجر :2

ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو سخت بھی ہو اور ایسی آڑ یا روک کا کام دے جو کسی چیز کو دوسری چیزوں سے **حجر** کا عام معنی پتھر ہے جو سخت اور ٹھوس ہے۔پھر **حجارۃ** (م ل) گاؤں کی حفاظت کے لیے گاؤں کے گرد حصار کھینچ لینا، پتھروں **المنع والاحاطۃ علی الشیء** :الگ کر سکے(م ف) ابن فارس کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے :کا احاطہ کرنا، کوٹ یا حویلی سے احاطہ کرنا۔یہ سب کچھ حجر کے مفہوم میں شامل ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا (سورۃ الفرقان آیت 22)

جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے (تو) اس دن مجرموں کے لئے چنداں خوشی کی بات نہ ہوگی بلکہ وہ (انہیں دیکھ کر ڈرتے ہوئے) کہیں گے: کوئی روک والی آڑ ہوتی (جو ہمیں ان سے بچالیتی یا فرشتے انہیں دیکھ کر کہیں گے کہ تم پر داخلۂ جنت قطعاً ممنوع ہے)

حجرا محجورا کا لفظ اہل عرب کسی دشمن یا آفت کے نازل ہونے کے وقت محاورتاً استعمال کرتے تھے جیسے ہم کہتے ہیں "اس سے خدا کی پناہ"۔ تو سننے والا اس کو عموماً کوئی تکلیف نہ پہنچاتا۔

پھر **حجر** کا لفظ ایسی عقل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو غلط اور باطل نظریات اور بیہودہ باتوں کو قبول کرنے سے انکار کر دے۔ گویا ایسی محتاط عقل کو بھی جو اپنا بچاؤ سوچ لے حجر کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ (سورۃ الفجر آیت 5)

بیشک ان میں عقل مند کے لئے بڑی قسم ہے۔

پھر **حجر** کا لفظ ممنوع، ناجائز اور حرام چیز کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ (سورۃ الانعام آیت 138)

اور اپنے خیال سے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مویشی اور کھیتی منع ہے۔ اسے اس شخص کے سوا جسے ہم چاہیں کوئی نہ کھائے

3: حجز

دو چیزوں کے درمیان ایک تیسری چیز جو دونوں کے درمیان حائل ہو جائے۔ **الحول بین الشیئین** (م ل) اور **حاجز** بمعنی اوٹ، پردہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا (سورۃ النمل آیت 61)

اور (کھاری اور شیریں) دو سمندروں کے درمیان آڑ بنائی

پھر **حاجز** کا لفظ درمیان میں حائل ہو کر کسی ایک چیز کو روک لینے یا دوسری کو بچا لینے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسے:

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ (سورۃ الحاقۃ آیت 47)

پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اِس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

4: حدّ

ہر چیز کی انتہا اور آخری کنارا جو اسے دوسری چیزوں سے الگ کر دے (م ا) گویا اس کے بنیادی معنی میں 1) روک 2) کنارا، کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ گویا **حدّ** کوئی تیسری چیز نہیں ہوتی وہ ایک ہی چیز کا آخری کنارا ہے جو اسے دوسروں چیزوں سے ملنے نہیں دیتا (م ف) ہمارے ہاں حدود اربعہ کا لفظ عام مستعمل ہے جو اس مفہوم کی وضاحت کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا (سورۃ النساء آیت 14)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جائے گا اس کو اللہ دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہو گا۔

ماحصل:

- **برزخ** : دو چیزوں کے درمیان ایک تیسری چیز جس میں دونوں کے کم و بیش برابر برابر خواص پائے جائیں اور روک کا کام دے۔
- **حجر** : ایسی روک جو کسی چیز کو دوسری چیزوں سے محفوظ رکھے۔
- **حجز** : دو چیزوں کے درمیان ایسی روک جو ایک چیز کو دوسری چیز سے محفوظ اور بچائے رکھے۔
- **حدّ** : ایک ہی چیز کو آخری انتہا یا آخری کنارا جو اسے دوسری چیزوں سے ملنے سے روک دے۔ نیز دیکھیے "پردہ" اور "دیوار"۔





نام ونسب:۔

آپ رضی اللہ عنہا کا نام حفصہ تھا۔ سلسلہ نسب یوں ہے حفصہ بنت عمر بن خطّاب بن نفیل بن عبد العزّیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرطہ بن زراح بن عدی بن کعب بن لوَیٰ۔ آپ کا سلسلہ نسب نویں پشت میں عدی کے ساتھ جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک سے مل جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت زینب بن مظعون رضی اللہ عنہا ہیں جو جلیل القدر صحابی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔

ولادت:۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے تقریباً 5 سال قبل پیدا ہوئیں۔

نکاح :۔

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہجرت سے پہلے نکاح حضرت خنیس بن حذافہ سہمی نامی صحابی سے ہوا تھا اور ان ہی کے ساتھ انہوں نے مدینہ منورہ ہجرت کی تھی۔ حضرت خنیس غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے اور راجح قول کے مطابق بدر ہی میں ان کے کاری زخم آئے جن سے وہ جانبر نہیں ہو سکے تھے۔ اور کچھ ہی عرصہ کے بعد ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی۔ حضرت خنیس کے انتقال کے بعد حضرت عمر کو اپنی بیٹی کی فکر ہوئی۔ یہ غزوہ بدر کے بعد کا زمانہ ہے۔ اسی موقع پر حضرت عثمان کی اہلیہ اور رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ کا انتقال ہوا تھا۔ حضرت عمر نے حضرت عثمان سے حضرت حفصہ کے نکاح کی پیشکش کی۔ انہوں نے غور کرنے کے لیے کچھ وقت مانگا۔ اور چند دن کے بعد معذرت کر دی۔ اس کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے یہی پیش کش کی، مگر انہوں نے خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت عمر کا بیان ہے کہ مجھے ان کی خاموشی حضرت عثمان سے زیادہ ناگواری گزری، اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ کے لیے پیام دیا، اور جب یہ نکاح ہو گیا تب حضرت ابو بکر حضرت عمر سے ملے اور کہا کہ میرا خیال ہے کہ جب تم نے مجھ سے حفصہ سے نکاح کی خواہش کی تھی، اور میں خاموش تھا تو تم اس سے رنجیدہ ہوئے تھے۔ اصل میں قصہ یہ ہے کہ مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ خود

رسول اللہ ﷺ کا ارادہ حفصہ کو اپنے نکاح میں لینے کا ہے۔ اور اسی وجہ سے میں نے تمہاری پیشکش کا کوئی جواب نہیں دیا تھا، میں یہ بھی مناسب نہیں سمجھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو بات ابھی راز میں رکھی تھی، میں اس کو ظاہر کر دوں۔ اور اگر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارادہ میرے علم میں نہ ہوتا تو میں ضرور تمہاری پیش کش قبول کر لیتا۔ یہ ساری تفصیلات صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت حفصہ کے بھائی حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہیں۔

فضائل سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا:۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بلند ہمت اور سخاوت شعار خاتون ہیں۔ حق گوئی حاضر جوابی اور فہم وفراست میں اپنے والد بزرگوار کا مزاج پایا تھا۔ اکثر روزہ سے رہا کرتی تھیں اور تلاوت قرآن مجید اور دوسری قسم کی عبادتوں میں مصروف رہا کرتی تھیں۔

کثرت صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں۔ ابن سعد نے ان کی عبادت کے متعلق لکھا ہے کہ حفصہ رضی اللہ عنہا صائم النہار اور قائم اللیل تھیں۔ دوسری روایت میں ہے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا انتقال کے وقت تک صائمہ تھیں۔ گوشہ نشینی اور پرہیز گاری کا یہ عالم تھا کہ اشد ضرورت کے بغیر کبھی گھر سے باہر قدم نہیں نکالا۔

زیادہ وقت تلاوت قرآن پاک میں صرف کرتیں اور آپ اس کی باریکیوں کو سمجھتیں، ان پر غور فرماتیں اور جو نقطہ سمجھ میں نہ آتا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وضاحت طلب کرتیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سخاوت کی دولت سے بھی مالا مال تھیں جو مال آتا اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے خوشی محسوس کرتیں یہاں تک کہ اپنی جائیداد بھی وفات کے وقت اللہ عزوجل کی راہ میں صدقہ کر دیا۔

حفاظت قرآن وسیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا:۔

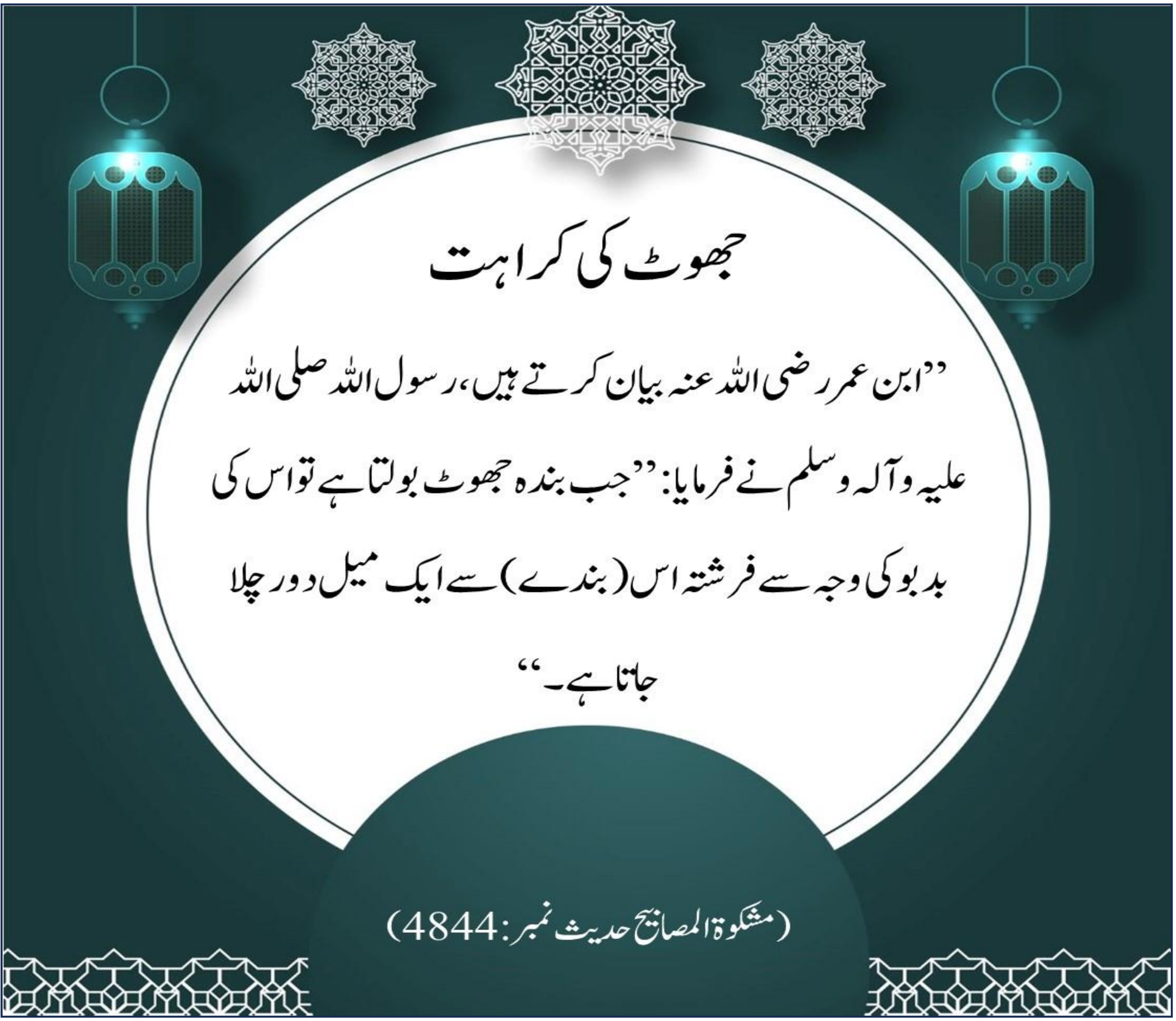
قرآن پاک وقفے وقفے سے نازل ہوا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات مقدسہ کے دوران ہی اس بات کا اہتمام فرما دیا تھا کہ جو آیاتِ مبارکہ نازل ہوں، انھیں متعلقہ سورت میں شامل کر کے احاطہ تحریر میں لایا جائے۔ دوسرے کاتبانِ وحی کے علاوہ یہ ذمہ داری سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بھی سپرد تھی کیوں کہ وہ لکھنا سیکھ چکی تھیں لہٰذا سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق نازل شدہ آیاتِ مبارکہ کو اپنے پاس موجود قرآنی نسخے میں درج کر لیتی تھیں۔ سیرت نگاروں کے کے مطابق رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی قرآن مجید کے تمام کتابت شدہ اجزا یکجا کرا کے اپنی زوجۂ طاہرہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوا دیے تھے جو تا حیات ان کے پاس رہے۔

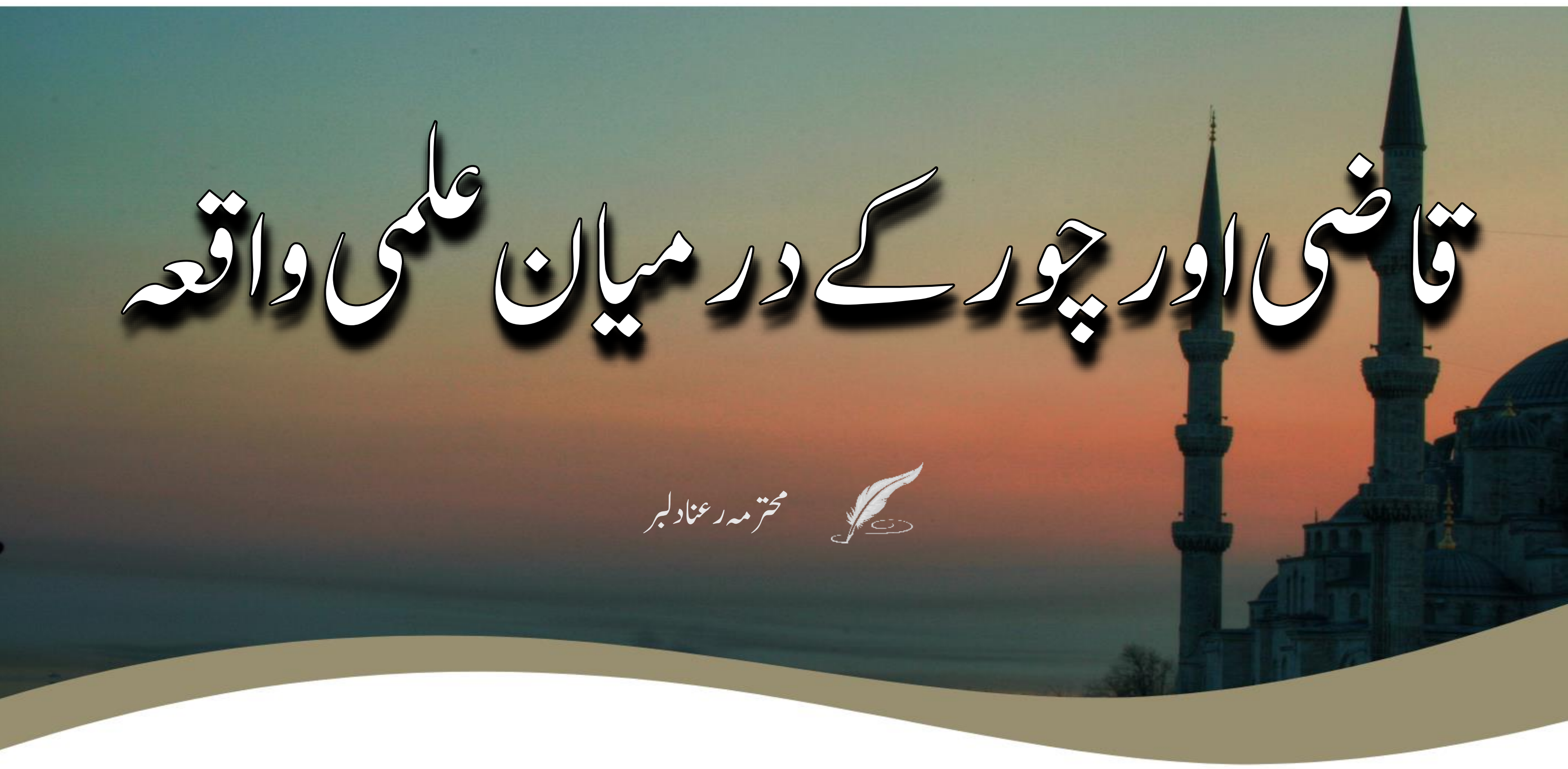
حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد خلافت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے دور میں نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کے فتنوں میں یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ قرآن مجید کی حفاظت کے حوالے سے کوئی کوتاہی نہ ہو جائے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مشورہ کر کے مختلف اوراقِ کتابت جمع کیے اور صحیح ترین نسخہ کی حفاظت کے لیے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب ہوا۔ حضرت سیدنا عثمان غنی کے خلافت کے دور میں اسلام عرب سے نکل کر عجم تک پہنچ چکا تھا۔ عجمی مسلمانوں کے تلفظ، طرز ادائیگی اور عربی سے ناواقفیت کی بنا پر ممکن تھا کہ لاشعوری طور پر اس کے لہجے میں فرق پڑ جاتا اس لیے عہد عثمانی میں صحابہ کا ایک بورڈ اور کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے تحقیق و تصدیق سے کام لیتے ہوئے قرآن پاک باقاعدہ ایک کتابی شکل میں ترتیب دیا اور اس کام کے لیے وہی نسخہ بنیاد بنا جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔ ان سے وہ نسخہ لے کر اس تحقیقی بورڈ کی حتمی رائے قائم کر کے سرکاری مہر کے ساتھ

مختلف نسخے تیار کر دیے گئے اور سرکاری تصدیقی مہر کے ساتھ بلادِ اسلامیہ تک پہنچا دیے گئے۔

وفات:۔

شعبان ۴۵ھ میں مدینہ منورہ کے اندر ان کی وفات ہوئی اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا زمانہ تھا اور مروان بن حکم مدینہ کا حاکم تھا۔ اسی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک ان کے جنازہ کو بھی اٹھایا پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ قبر تک جنازہ کو کاندھا دیے چلتے رہے۔ ان کے دو بھائی حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے تین بھتیجے حضرت سالم بن عبداللہ و حضرت عبداللہ بن عبداللہ و حضرت حمزہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہم نے ان کو قبر میں اتارا اور یہ جنت البقیع میں دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے پہلو میں مدفون ہوئیں۔ بوقت وفات ان کی عمر ساٹھ یا تریسٹھ برس کی تھی۔





قاضی اور چور کے درمیان علمی واقعہ

محترمہ رعنا دلبر

امام جوزی رحمہ اللہ نے قاضی انطاکیہ کا ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ ایک دن اپنے کھیتوں کو دیکھنے شہر سے نکلے تو شہر کے باہر ایک چور نے دھر لیا۔ چور نے کہا کہ جو کچھ ہے میرے حوالے کر دیجئے ورنہ میری طرف سے سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قاضی نے کہا: خدا تیرا بھلا کرے۔ میں عالم آدمی ہوں اور دین میں اس کی عزت کا حکم دیا گیا ہے ساتھ میں قاضی شہر بھی ہوں لہذا مجھ پر رحم کر۔

چور نے کہا: الحمدللہ! ایسا شخص جو بیچارہ فقیر نادار ہو اور اپنا نقصان پورا نہ کر سکے کے بجائے آج ایک ایسے شخص کو اللہ نے میرے قابو میں دیا ہے کہ اگر اس کو میں لوٹ بھی لوں تو شہر واپس جا کر اپنا نقصان پورا کر سکتا ہے۔

قاضی نے کہا: خدا کے بندے تو نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث نہیں سنی کہ دین وہ ہے جسے اللہ نے مقرر کیا اور مخلوق سب اللہ کے بندے ہیں اور سنت وہی ہے جو میرا طریقہ ہے۔ پس جس نے میرا طریقہ چھوڑ کر کوئی بدعت ایجاد کی تو اس پر اللہ کی لعنت۔

چور نے کہا: میری جان! یہ حدیث مرسل ہے (جو شوافع کے ہاں حجت نہیں) اور بالفرض اس حدیث کو درست بھی مان لیا جائے تو آپ کا اس "چور" کے بارے میں کیا خیال ہے جو بالکل "قلاش" ہو فاقوں نے اس کے گھر میں ڈیرے ڈال دیئے ہوں اور ایک وقت کے کھانے کا بھی کوئی آسرا نہ ہو؟ ایسی صورت میں ایسے شخص کیلئے آپ کا مال بالکل پاک و حلال ہے کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا کہ دنیا اگر محض خون ہوتی تو مومن کا اس میں سے کھانا حلال ہوتا۔

نیز علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر آدمی کو اپنے یا اپنے خاندان کے مارے جانے کا خوف ہو تو اس کیلئے دوسرے کا مال حلال ہے۔ اور اللہ کی قسم میں اسی حالت سے گزر رہا ہوں لہذا شرافت سے سارا مال میرے حوالے کر دو۔

قاضی نے کہا: اچھا اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو مجھے اپنے کھیتوں میں جانے دو وہاں میرے غلام و خادم نے آج جو اناج بیچا ہو گا اس کا مال میں ان سے لیکر واپس آکر آپ کے حوالے کر دیتا ہوں۔

چور نے کہا: ہرگز نہیں۔ ایک دفعہ میرے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد آپ دوبارہ واپس نہیں لوٹیں گے۔

قاضی نے کہا: میں آپ کو قسم دینے کو تیار ہوں کہ ان شاءاللہ میں نے جو وعدہ آپ سے کیا ہے اسے پورا کروں گا۔

چور نے کہا: مجھے حدیث بیان کی مالک رحمہ اللہ نے انہوں نے نافع رحمہ اللہ سے سنی انہوں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ: یمین المکرہ لا تلزم (مجبور کی قسم کا اعتبار نہیں)

اور مجبوری کی حالت میں جب کلمہ کفر بولنے کی اجازت ہے تو جھوٹی قسم بھی کھائی جا سکتی ہے۔ لہذا فضول بحث سے پرہیز کریں اور جو کچھ ہے آپ کے پاس میرے حوالے کردیں۔

قاضی اس پر لاجواب ہو گیا اور اپنی سواری، مال کپڑے سوائے شلوار کے اس کے حوالے کر دیا۔

چور نے کہا: شلوار بھی اتار کر دیں۔

قاضی نے کہا: اللہ کے بندے نماز کا وقت ہو چکا ہے۔ اور بغیر کپڑوں کے نماز جائز نہیں

نیز شلوار حوالے کرنے پر میری بے پردگی ہو گی جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص ملعون ہے جو اپنے بھائی کے ستر کو دیکھے۔

چور نے کہا: اس کا آپ غم نہ کریں کیونکہ ننگے حالت میں آپ کی نماز بالکل درست ہے کہ مالک رحمہ اللہ نے ہم سے حدیث بیان کی وہ روایت کرتے ہیں نافع رحمہ اللہ سے وہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ سے کہ

العراۃ یصلون قیاما ویقوم امامھم وسطھم

ننگے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں اور ان کا امام بیچ میں کھڑا ہو۔

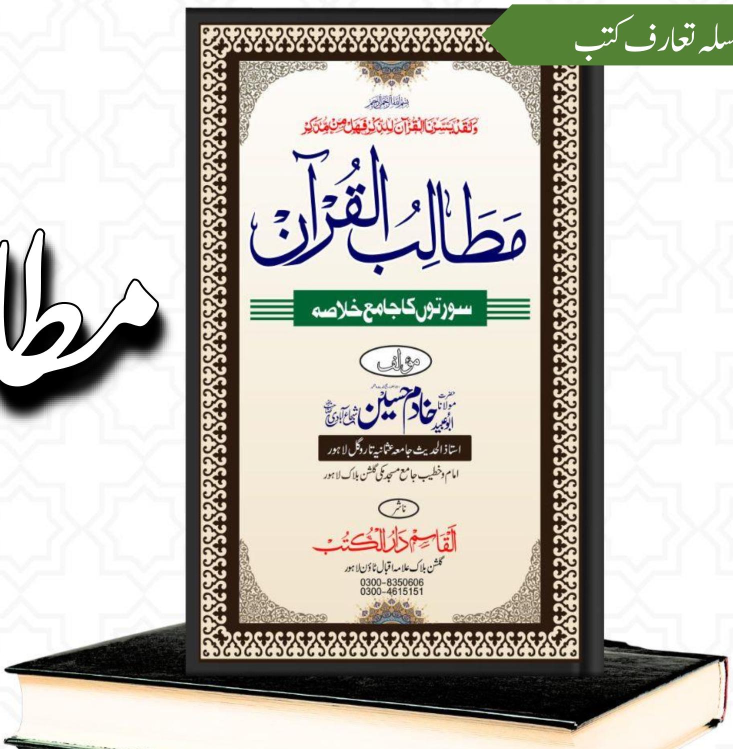
نیز امام مالک رحمہ اللہ بھی ننگے کی نماز کے جواز کے قائل ہیں مگر ان کا فتوی یہ ہے کہ کھڑے ہو کر نہیں پڑھیں گے بلکہ متفرق متفرق پڑھیں گے اور اتنی دور دور پڑھیں گے کہ ایک دوسرے کے ستر پر نظر نہ پڑے۔ جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا فتوی یہ ہے کہ کھڑے ہو کر نہیں بلکہ بیٹھ کر پڑھیں۔

اور ستر پر نظر پڑنے والی جو روایت آپ نے سنائی اول تو وہ سنداً درست نہیں اگر مان بھی لیں تو وہ حدیث اس پر محمول ہے کہ کسی کے ستر کو شہوت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ اور فی الوقت ایسی حالت نہیں اور آپ تو کسی صورت میں بھی گناہ گار نہیں کیونکہ آپ حالت اضطراری میں ہے خود بے پردہ نہیں ہو رہے ہیں بلکہ میں آپ کو مجبور کر رہا ہوں۔ لہذا لایعنی بحث مت کریں اور جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کریں۔

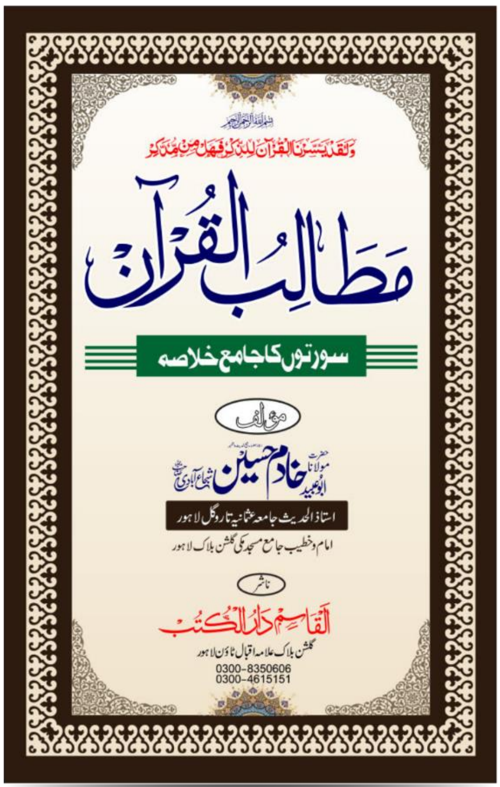
قاضی نے یہ سن کر کہا کہ خدا کی قسم قاضی اور مفتی تو تجھے ہونا چاہئے ہم تو جھک مار رہے ہیں۔ جو کچھ تجھے چاہئے لے پکڑ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اور یوں چور سب کچھ لیکر فرار ہو گیا۔ (کتاب الاذکیاء، لابن الجوزی، ص ۳۸۹)

سلسلہ تعارف کتب

مطالب القرآن



محمد داؤد الرحمن علی



قرآن شریف خداوند کریم کا کلام ہے جس میں انسان کی رشد وہدایت اور دائمی فلاح وکامرانی کے تمام اصول بیان کر دیئے گئے ہیں۔ مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قرآن کو پڑھے اور اس کے مطالب کو فہم کی گرفت میں لانے کی کوشش کرے۔ ہماری مادری زبان چونکہ عربی نہیں ہے، اس لیے فہم ومطالب کے لیے تراجم قرآن کا سہارا لینا ناگزیر ہے۔

زیر نظر کتاب ''مطالب القرآن'' ولی کامل، شیخ استاذ العلماء والصلحاء شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی کاوش ہے۔ آج کل لوگ عدیم الفرصت ہو گئے ہیں اور مطالعہ کتب کا ذوق بھی کافی کمزور پڑ گیا ہے اس لیے یہ ناممکن بات ہے کہ وہ آٹھ یا دس جلدوں پر مشتمل تفسیروں کا مطالعہ کریں اس لیے اسے نہایت اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس کا اسلوب عام فہم ہے اور اس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اگر ایک شخص روز صرف ایک گھنٹہ اس کا مطالعہ کرے تو دو ماہ میں پوری کتاب پڑھی جاسکتی ہے۔

کتاب کو دیدہ زیب ٹائیٹل، بہترین جلد اور عمدہ و بہترین کاغذ پر شائع کیا گیا ہے۔ حضرت استاد صاحب مدظلہ تصنیف وتالیف کا عمدہ شوق رکھتے ہیں، اس کتاب کے علاوہ حضرت استاد صاحب مدظلہ کی دیگر تالیفات بھی ہیں، جن کا تفصیلی ذکر گزشتہ شماروں میں کیا جاچکا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ کو اجر جزیل سے نوازے اور اس کتاب کو ان کی میزان میں حسنات کا ذخیرہ بنادے اور اس کا نفع عام فرمادے۔